واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

ایک عظیم الشان خطرہ سے آگاہی

جناب رازی

شائع کردہ

دائرہ طلوع اسلام دہلی

جید برقی پریس بلیماران دہلی

طبع دوم

قیمت فی نسخہ ایک آنہ

پیش نامہ

مضمون "وارد ھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان" رسالہ طلوع اسلام بابت اگست ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا مضمون کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ عام اشاعت کی غرض سے اس کو پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا جائے اور مسلمانوں کو اس اسکیم کے وہ نقائص بتائے جائیں جو اسلامی تعلیم و اصول کے خلاف ہیں چنانچہ مضمون رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، اور ایک ہفتہ کے اندر ہاتھوں ہاتھ نکل گیا جس سے اسکی مقبولیت اور اشاعت کا اندازہ لگایا جا سکتا، پیش نظر رسالہ اس کا دوسرا ایڈیشن ہے، قیمت وہی ایک آنہ رکھی گئی ہے جو لاگت سے بھی کم ہے البتہ سائز چھوٹا کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ دائرہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کے مخلص کارکنوں کو عزم و استقامت کی تازہ روح بخشے۔ آمین

دائرہ طلوع اسلام، بلیماران دہلی

۱

وارڈھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

(ایک عظیم الشان خطرہ سے آگاہی)

تمہید

تاریخ عالم کے زمانہ قدیم پر نگاہ ڈالئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ قوت و سطوت کی مالک قومیں دوسری قوموں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے قتل و غارتگری اور کشت و خون کے کیا کیا طریقے اختیار کرتی ہیں۔ چنگیز خاں ہلاکو کی خونچکاں داستانیں صفحات تاریخ پر خون کے حروف میں لکھی ہوتی ہیں، فرعون و نمرود، شداد و ہامان کے جور و استبداد کے واقعات پڑھنے والے کی روح میں کپکپی پیدا کر دیتے ہیں، یہ دور جہالت تھا، علانیہ سبعیت و بربریت کا زمانہ تھا، عصر حاضر کا مہذب انسان اس دَورِ وحشت کو سخت نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے زمانہ کو خدا کی برکتوں اور رحمتوں کا زمانہ سمجھتا ہے کہ جس میں قتل و خونریزی کی وہ داستانیں نہیں دُہرائی جاتیں جس میں اُسے انسانیت تڑپتی، بلکتی، بھڑکتی نظر آئے لیکن جو لوگ حقائق اشیاء کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں اُن پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ عصر حاضر کا مہذب انسان بھی دوسروں کی ہلاکت اور بربادی میں عہد جہالت کے وحشی انسان سے کسی حالت میں کم نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عہد جہالت تھا، جس میں انسان نے ابھی یہ نہ سیکھا تھا کہ اپنی ستم کوشیوں اور ظلم رانیوں کو کس طرح

اصلاح و بہبود کے خوش آیند نقاب اُڑھائے وہ جو کچھ کرتا تھا کھلم کھلا کرتا تھا، بتا کر، جتا کر، دکھا کر کرتا تھا۔ لیکن انسان عقل و حکمت میں بہت ترقی کر چکا ہے، اب اِس طرح کھلم کھلا اپنی ہوسِ خون آشامی کو پورا کرنا حماقت سمجھا جاتا ہے آج سب سے زیادہ مُدبّر، سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو دوسروں کا خون اس انداز سے پی جائے کہ اس کا دھبہ تک کہیں نظر نہ پڑے، وہ دوسروں کی متاعِ حیات کو اس مشفقانہ انداز سے لُوٹ لے کہ اس پر رہزن و قزاق ہونے کا شبہ تک نہ ہو، وہ ناصح و مصلح کے معصوم لباس میں قوم کی قوم کو تباہ کر جائے درین حالت کہ لُٹنے والوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔
دورِ جہالت کا وحشی اور ظالم انسان آج تک بدنام چلا آتا ہے کہ اس کے جور و ستم کی ہلاکت آفرینیاں گویا ایک طوفانِ بلاخیز ہیں جو کفِ بردہان بڑھتا، اُمنڈتا بپھرتا چلا آتا ہو جس کی طغیانیوں کو اندھے بھی دیکھتے ہیں اور جس کی شورانگیزیوں کو بہرے بھی سنتے ہیں لیکن دورِ حاضر کے مہذب انسان کی استہلاک و تخریب کی چالیں ایک پُرسکوت دریا کی مانند ہیں کہ جس کی روانیوں میں نہ شور ہے نہ تموج، لیکن سطحِ آب کے نیچے ایسے ایسے خوفناک مگرمچھ چھپے چلے آتے ہیں کہ قوم کی قوم کو تباہ کر دیں لیکن نہ دیکھنے والی آنکھیں دیکھ سکیں اور نہ سننے والے کان سُن سکیں، اس پُرسکوت طریقِ تخریب اور اس آتشِ خاموش میں سب سے بڑا حصہ تعلیم کو حاصل ہے، آپ جس قوم کو تباہ و برباد کرنا چاہیں نہایت خاموشی سے اس کے طریقِ تعلیم کو بدل دیجئے۔ وہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر ہلاکت و بربادی کے عمیق و مہیب غاروں میں کھنچی چلی جائے گی اور اسے اس وقت پتہ چلے گا جب وہ سکراتِ موت کی ہچکیاں لے رہی ہوگی۔ حضرت اکبر مرحوم نے اس جانکاہ حقیقت کو کس قدر بلیغ اور اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا ٭ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انگریزوں کا طرز عمل

جب ہندوستان میں انگریزوں کے پاؤں جمنے شروع ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے مسئلہ تعلیم ہی کو لیا، لارڈ میکالے کی مشہور ومعروف کمیٹی کی روداد کس کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ سوال یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو انگریزی تعلیم دی جائے یا نہیں خود انگلستان میں اس مسئلہ کے موافق ومخالف دو پارٹیاں بن گئی تھیں، سوال اتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ جب تک حل نہ ہوا کسی کو چین نہ پڑا۔ ہندوستانی دل میں سمجھتے ہوں گے کہ اللہ میاں نے کیسے فرشتوں کو ہم پر حکومت کرنے کیلئے بھیج دیا ہے جو ہماری تعلیم کے لئے یوں گھلے جا رہے ہیں، وہ جماعت جو انگریزی تعلیم کے مخالف تھی اُن کے دلائل بڑے قوی تھے لیکن لارڈ میکالے نے اس کے خلاف ایسی محکم دلیل پیش کی کہ جس کے سامنے فریق مخالف کے تمام دلائل دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس نے کہا کہ انگریزی تعلیم دینے سے آہستہ آہستہ ہندوستانی ایک ایسی قوم میں تبدیل ہو جائیں گے جو رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن خیالات رجحانات، تہذیب معاشرت کے لحاظ سے یکسر مغربی ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اپنے مخصوص تہذیب وتمدن کو کھو بیٹھے تو وہ ایک ایسا جسم بن کر رہ جاتی ہے جس سے روح پرواز کر چکی ہو، چنانچہ اس دلیل کو بڑا وزندار سمجھا گیا اور ۱۸۳۵ء میں فیصلہ ہو گیا کہ ذریعہ تعلیم انگریزی ہونا چاہیے، یہ تو تھا بنیادی مسئلہ، اب یہ معاملہ پیش ہوا کہ اس طریق تعلیم میں جاذبیت کیسے پیدا کی جائے تو اس کے لئے ۱۸۳۳ء میں لارڈ ہسٹنگز نے

اعلان کردیا کہ ملازمت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو انگریزی جانتا ہو یعنی جس طرح کُتّے تلف کرنے کے زہر کو حلوے میں لپیٹ کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اس تعلیم کو روٹی میں لپیٹ کر پیش کیا گیا۔ ہندوؤں پر تو اس طریق تعلیم کا کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا تھا کہ ان کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں، تمدن نہیں، مذہب نہیں، اس لئے اُن سے چھین کیا سکتا تھا، ان کو نقصان کچھ نہ ہوا اور روٹی ضرور مل گئی۔ لیکن مسلمان پر اس کا کیا اثر ہوا، یہ ہم سے نہیں خود ایک فاضل انگریز سے سُنئے کہ "اس طرح بتدریج اسلامی ہندوستان دارالحرب بنا دیا گیا اور ایک عظیم الشان روایات کی حامل قوم دنیا میں یوں بے وقعت کر کے رکھ دی گئی[۱]"

ہندو ذہنیت

وہ دور اب ختم ہو رہا ہے، حکومت اور قوت رفتہ رفتہ انگریز کے ہاتھ سے چھن کر ہندو اکثریت کے ہاتھ میں منتقل ہو رہی ہے، مسلمان کی تخریب اور بربادی میں جو کچھ انگریز نے کیا وہ سارا نقشہ ہندوؤں کے سامنے ہے اور چونکہ ہندو نے سیاست سیکھی ہی انگریز سے ہے اس لئے۔ آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم۔ جو کچھ ان کے استادوں نے کیا وہی کچھ یہ کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں، ان میں ایک گروہ تو ڈاکٹر مونجے اور بھائی پرمانندوں کا ہے جو علانیہ کہتے پھرتے ہیں کہ بھارت ماتا کی پوتر بھومی ان ملیچھ مسلمانوں کے چرنوں سے اپوتر نہیں رکھی جا سکتی۔ انہیں یا تو ہندو بن کر رہنا ہوگا یا عرب کی طرف چلے جانا پڑے گا۔ لیکن یہ طریق کار اس دورِ جاہلیت سے ملتا جلتا ہے جس کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں۔ اس لئے انہی میں کا دوسرا گروہ اس طریق کار کو ترجیح دیتا ہے جو "دورِ تہذیب" کی ایجاد ہے اور جس پر انگریز عمل پیرا ہو رہا ہے یعنی وہ

---

[۱] (THE INDIAN MUSLIMS BY DR. HUNTER)

ناصحِ مشفق بنتا ہے وہ ایک سادھو منش، خدا رسیدہ، مہاتما کا چولا پہنتا ہے اور ایسا
ہمہ رنگ زمین دام بچھاتا ہے کہ بھولے بھالے پرندے سمجھ بھی نہیں سکتے کہ یہاں کوئی پھانسنے
کی ترکیب بھی کر رکھی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مہاتما گاندھی ایک عرصے سے اپنے آپ کو
عملی سیاست سے الگ بتا رہے ہیں حتیٰ کہ جب کانگریس کے کسی طرزِ عمل کے متعلق
ان سے شکایت کیجاتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ بابا! میں تو "چار آنہ والا" ممبر بھی نہیں ہوں
میں ایشور بھگتی میں لگا ہوا ہوں، مجھے دنیاداروں کے ان جھگڑوں سے کیا واسطہ،
جب انہوں نے عملی سیاست کو چھوڑا تو سب سے پہلے اچھوتوں کے ادھار (اصلاح)
کی اسکیم کو ہاتھ میں لیا، انہوں نے دیکھ لیا کہ آئندہ ہندوستان کا نظامِ حکومت
جمہوری ہوگا جس میں تمام امور کا فیصلہ کثرتِ رائے یعنی آبادی کے شمار کے اعتبار
سے ہوگا جو قوم تعداد میں زیادہ ہوگی وہی حکومت کرے گی، اچھوتوں کے ساتھ جو
سلوک ہندوؤں نے روا رکھا ہے وہ خود اچھوتوں کی حالت سے ظاہر ہے، آج چونکہ عام
بیداری کا زمانہ ہے اس لئے اچھوتوں نے بھی اپنی ذلت و خواری کا احساس کیا،
مہاتما جی کو فکر لاحق ہوگئی کہ اگر انہوں نے ان مظالم کے انتقام کے طور پر جو ہندوؤں نے
صدیوں سے اُن پر توڑ رکھے ہیں یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ ہندوؤں سے الگ ہوتے ہیں تو
سوراج کس کام کا، فوراً نوعِ انسانی کی ہمدردی کی رگ ان کے نحیف و لاغر جسم میں
پھڑک اٹھی، پست و زبوں حال اچھوت کی دکھ بھری داستان نے ان کا جگر خون کر دیا
ان پر رات کی نیند اور دن کا چین حرام ہوگیا، پونہ میں پران تیاگ برت رکھا گیا اور جب
تک یقین نہیں ہوگیا کہ اچھوت مردم شماری کے رجسٹر میں اپنے آپ کو ہندو ہی لکھوائینگے
کسی اور طرف توجہ ہی نہیں کی، یہ مہاتما جی کی زندگی کا پہلا نصب العین ہے اس کے

بعد ایک اور مسئلہ ان کے سامنے آیا وہ بساطِ سیاست کو بڑی گہری نظروں سے دیکھتے
رہیں، انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک ملک کی زبان ہندی نہیں ہو جاتی اقلیتیں اکثریت
کے اندر جذب نہیں ہو سکتیں، زبان کا مسئلہ کس قدر اہم ہے اس کا ذکر ہم آگے چل کر
کریں گے اس مسئلہ میں جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ ہو گا وہی جو وہ چاہتے ہیں تو اب
ایک قدم اور آگے بڑھے، وہی چیز جو میکالے کے وقت میں انگریز کے پیش نظر تھی،
وہی ان کے سامنے آئی، انگریزی سیاست نے انہیں خوب بتا رکھا تھا کہ یاد رکھو جو
قوم اپنی تہذیب، کلچر، مذہب کو الگ رکھنے کی متمنی ہو اسے علانیہ شدھ کرنے کو
نہ اٹھو بلکہ طریق تعلیم بدل دو وہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ خود بخود شدھ ہو جائے گی
چنانچہ اس چیز کے پیش نظر مہاتما جی نے آزاد ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی اسکیم کے اصول
وضع کئے جسے واردھا اسکیم کہتے ہیں اور ان اصولوں کی فروعات و جزئیات مرتب
کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنا دی چونکہ خطرہ تھا کہ مسلمان اعتراض کریں گے کہ ہندوؤں کی
وضع کردہ اسکیم ان پر کیوں نافذ کی جا رہی ہے۔ اس لئے اس کمیٹی کے صدر جامعہ ملیہ
اسلامیہ کے پرنسپل جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب متعین کر دیے گئے، اس کمیٹی
نے اپنی رپورٹ مرتب کی جو رسالہ جامعہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ہے
یہی وہ رپورٹ ہے جس کے متعلق ہم کو دیکھنا ہے کہ اس طریق تعلیم کا مسلمانوں پر کیا
اثر پڑے گا اور مسلمان مذہبی نقطۂ نظر سے اسے کس حد تک تسلیم کر سکتے ہیں، اس لئے
کہ دنیا کا کوئی معاملہ ہو ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ اسے قرآن کریم کی میزان سے
تولے اور جو فیصلہ اس بارگاہ سے ملے، اسے اپنے لئے قول فیصل سمجھ کر۔
مَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ (جو شخص معاملات کا

فیصلہ قرآن کریم کی رُو سے نہیں کرتا اسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں وہ کفار کے زمرے میں شامل ہے)۔

ہمیں اس سے نہ مہاتما گاندھی کی ذاتی مخالفت مقصود ہے نہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان کی، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ موجودہ وقت، سیاست ہند میں ایک بڑا نازک وقت ہے، سابقہ حکومت کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور اسکی جگہ مقدرات کے نئے نئے ستارے منصہ شہود پر آرہے ہیں، مسلمان سابقہ دورِ حکومت میں جس قدر نقصان اُٹھا چکا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ایسے وقت میں جب مستقبل کے لئے اس کی قسمتوں کے فیصلے ہو رہے ہیں یہ سوچے، غور کرے کہ میرے ساتھ اب کیا ہونے والا ہے، یہی وہ جذبہ ہے جس نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اس تعلیمی اسکیم کو خالص قرآنی نقطہ نگاہ سے دیکھیں اور ہیں جہاں جہاں خطرات پوشیدہ ملیں، انہیں بے نقاب کر کے مسلمان کے سامنے رکھدیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اب کس طرح

مری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

متحدہ قومیت کی تشکیل

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ مستقبل کے ہندوستان میں ہندوؤں کے ارادے کیا ہیں۔ تحریک آزادی کا مطمح نگاہ کیا ہے تفصیل تو اس کی طول طویل ہے لیکن دو لفظوں میں ہندوؤں کا اس سے مقصود یہ ہے کہ "ہندوستان میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ایک متحدہ قوم پیدا ہو" (پنڈت جواہر لال نہرو مطبوعہ رسالہ جامعہ بابت اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء) یہ متحدہ قوم پیدا کیسے ہوگی، اس کے لئے یوپی کے وزیر تعلیم جامی

سمپورانند کی وہ تقریر یا خطبہ ہو جو گذشتہ اپریل میں انہوں نے تعلیم کے موضوع پر فرمائی تھی جس کے دوران میں وہ کہتے ہیں

"ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اسکو مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہونچاتا ہے، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہیے، جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکیگی"

(بحوالہ تریبون وغیرہ)

ایک دفعہ پھر سن لیجئے کہ ہندوؤں کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں، کوئی مذہب نہیں اس لئے آپ جب کبھی یہ سنیں کہ ہندوؤں و مسلمانوں کی مخصوص تہذیب کو مٹا دیا جائے تو بلا تامل سمجھ لیجئے کہ اس سے مقصود مسلمانوں کی تہذیب و مذہب کو مٹانا مقصود ہے ہندو کا لفظ ساتھ اس لئے چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ مسلمان بدک نہ جائیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ہندوؤں کا کوئی مذہب نہیں کوئی تہذیب نہیں تو ان کا مٹے گا کیا؟ یہ ہم نہیں کہتے کہ ہندوؤں کا کوئی مذہب نہیں کوئی تہذیب نہیں، خود ہندوؤں سے سنئے :-

"ہندو مت کے دائرے میں بیحد مختلف اور متضاد خیالات اور رسوم داخل ہیں اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندو مت پر صحیح معنی میں لفظ مذہب کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ ایک شخص علم کھلا خدا کا منکر ہو (جیسے قدیم فلسفی چارواک) لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں ہندو مت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا، میں برہمن پیدا ہوا تھا اور برہمن ہی

سمجھا جاتا ہوں چاہے مذہبی اور سماجی رسموں کے متعلق میرے خیالات
اور اعمال کچھ ہی ہوں" (پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانحعمری
ترجمہ اُردو جلد اول ص ۲۰۳-۲۰۲)

تو آپ سمجھ گئے کہ ہندوؤں کے پیش نظر سب سے مقدم یہ مسئلہ ہے کہ مسلمان کی الگ مخصوص تہذیب کو مٹا دیا جائے تاکہ یہ متحدہ قومیت میں جذب ہو جائے اور اس طرح ایک ایسی قوم کا وجود عمل میں آئے جو نام کے اعتبار سے تو مسلمان رہے لیکن تہذیب و تمدن، خیالات، رجحانات، معاشرت کے لحاظ سے خالص ہندی ہو، یہی نظریہ جو میکالے کے سامنے تھا اور جس کے حصول کیلئے انگریزی طریق تعلیم کو اختیار کیا گیا تھا، اب اسی مقصد کے حصول کے لئے ایک نیا طریق تعلیم آسمان واردھا سے الہام کی شکل میں نازل ہوا ہے جس کی تشریح شیخ الجامعہ نے فرمائی ہے، یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میکالے کی اسکیم میں کشش پیدا کرنے کیلئے روٹی کی جاذبیت چسپاں کی گئی تھی، واردھا اسکیم کی بنیاد بھی روٹی پر رکھی گئی ہے، شروع سے اخیر تک اس اسکیم میں روٹی اور روٹی ہی کا شور ہے لیکن مقصد اولین تو یہ ہے کہ اس طریق تعلیم سے مسلمانوں کو اُن کے مذہب اور اسلامی فلسفۂ زندگی سے بیگانہ بنا دیا جائے اور اس طرح ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کا وجود عمل میں آجائے لیکن جو نصاب تجویز ہوا ہے اس میں بظاہر بنیادی چیز صنعت و حرفت کی تعلیم رکھی گئی ہے تاکہ نگاہیں اس حصّہ کے فوائد میں الجھ کر رہ جائیں اور دوسرے حصّے کے نقصانات کی طرف توجہ نہ ہونے پائے، چنانچہ نصاب تعلیم میں ساڑھے پانچ گھنٹوں میں سے ساڑھے تین گھنٹے کے قریب دستکاری کی تعلیم کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس سے آپ نے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ جہاں تک مسلمانوں کی

ملی خصوصیات مٹانے کا تعلق ہے، ہندو کس طرح انگریز کے قدم بقدم جا رہا
فرق اتنا ہے کہ انگریز نے جو کچھ کیا اس کے نتائج کا نام "غلامی" تھا اور ہندو جو کچھ کر رہا
ہے اس کا نام "حصولِ آزادی" رکھا گیا ہے انگریز جن کے توسط سے یہ کچھ کراتا تھا،
ان کا نام "ٹوڈی" تھا لیکن ہندو جن کے ہاتھوں سے یہ کچھ کراتا ہے وہ "محبِ وطن" اور
"خادمِ ملت" کہلاتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ:۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی، نہ حریف پنجہ فگن نئے ؛ وہی فطرتِ اسداللہی وہی مرحبی وہی عنتری

غیر مسلم کی راہ نمائی

یہ طویل تمہید اس لئے ضروری تھی کہ جب تک کسی تحریک کا پس منظر (BACK GROUND) آپ کے سامنے نہ ہو آپ پر اس کے صحیح اثرات و نتائج واضح نہیں ہو سکتے۔ اسکیم زیرِ نظر میں سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ وہ مسلمان جو دنیا کی امامت کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس کی آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ دنیا کی ہر شاہراہ پہ غیر مسلموں کی راہ نمائی کا محتاج ہو چکا ہے، "غلام" مسلمان اپنی ہدایت و راہ نمائی کیلئے سملہ، شملہ و لندن کے "الہامات" کا منتظر رہتا تھا، اب "آزاد" مسلمان اپنی ہدایت کے لئے وار دھا اور آنند بھون کے دیوی دواروں کی طرف کان لگائے رہتا ہے، انگریز سے اس کے کسی فیصلے یا ہدایت کی دلیل مانگنا آئینِ وفا شعاری کے خلاف تھا کہ اس کے فیصلوں کی صحت کی دلیل اس کا "اقبالِ حکومت" تھا، گاندھی جی سے ان کے فیصلوں یا ہدایات کی دلیل مانگنا خلافِ رسمِ پرستاری ہے کہ ان کے ہر فیصلے کی صحت کی دلیل وہ "اندرونی روشنی" ہے جس کی بنا پر انہیں معصوم عن الخطاء، مافوق البشر انسان یعنی اوتار سمجھا جاتا ہے، انگریز

کی غلامی استبداد کی غلامی تھی، گاندھی جی کی غلامی عقیدت کی غلامی ہے، مسلمان کیلئے نتیجہ دونوں کا وہی ذلت و پستی ہے جسے جذبۂ مرعوبیت (INFERIORITY COMPLEX) کہتے ہیں چنانچہ جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح اپنی رپورٹ کو مہاتماجی کے روبرو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"ہم یہ رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سچے دل سے اُمید کرتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی میں یہ اسکیم ہمارے ملک میں تعلیم کے ایک اچھے نظام کی بنیاد ثابت ہوگی" (ص۱)

تعلیم کے بنیادی اصولوں کی تمہید میں رقمطراز ہیں:۔

اور میدانوں کی طرح اس میدان میں بھی مہاتما گاندھی کی سوجھ بوجھ اور رہنمائی آڑے وقت میں ہمارے کام آئی" (ص۱۱)

اللہ اکبر! وہ مسلمان جس کے متعلق ارشاد تھا كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم نوعِ انسانی میں بہترین قوم ہو جنکی شان یہ تھی کہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بہترین قوم بنا دیا تاکہ تمام نوعِ انسانی کے اعمال کے نگران رہو جس کا مرتبہ یہ تھا کہ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ تم ہی دنیا میں سب سے بلند و بالا رہو جن کے مو سسِ اعلیٰ کے متعلق ارشاد تھا إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا، ہم نے تمہیں انسانوں کا امام، پیشرو، لیڈر بنایا ہے، جن کو حکم تھا کہ دیکھنا غیر مسلموں کے خیالات کی اتباع نہ کرنا وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے ؟! ان مسلمانوں کی آج حالت یہ ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے مسئلہ کے حل کے لئے ایسے لوگوں کے دستِ نگر

ہیں جو روح اسلام سے یقیناً بیگانہ ہیں جس مومن کی یہ شان تھی کہ :۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے   غیرتِ او برنتابد ہمسرے

وہ مومن ایسے انسانوں سے ہدایت کا طالب ہے جن کی عقل آج تک انہیں اتنا بھی نہیں بتا سکی کہ ایک مٹی کے بت کے سامنے ماتھا ٹیکنا کوئی شرفِ انسانیت نہیں ہے یہ پستیوں کی حد نہیں تو اور کیا ہے۔

اصل رپورٹ

رپورٹ زیر نظر کے مطابق یہ نیا طریق تعلیم سات برس سے چودہ برس کے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے لازمی ہوگا (ص ۳۱) یعنی کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ جب اس کی لڑکی یا لڑکا سات برس کا ہوجائے تو اسے اس اسکول میں نہ بھیجے جس میں یہ طریق تعلیم رائج ہو۔ یہ تعلیم جبری ہوگی۔ انگریز نے اپنے طریق تعلیم کو جبری نہیں بنایا تھا، یہ کمی اب سوراج کے زمانہ میں پوری ہوگی۔

اب سب سے پہلے اس نصاب کو دیکھ لیجئے جو اس اسکیم کی رو سے مرتب کیا گیا ہے

۱۔ بنیادی دستکاری .... ۳ گھنٹے ۲۰ منٹ

۲۔ گانا، ڈرائنگ اور حساب .... ۴۰ منٹ

۳۔ مادری زبان .... ۴۰ منٹ

۴۔ سماج کا علم اور عام سائنس .... ۳۰ منٹ

۵۔ کسرت .... ۱۰ منٹ

۶۔ بیچ کا خالی وقت .... ۱۰ منٹ

میزان   ۵ گھنٹے ۳۰ منٹ (ص ۳۲، ۳۱)

آپ کو یہ نصاب بڑا معصوم سا نظر آئے گا۔ اس میں بظاہر کوئی چیز ایسی نہیں جس سے مسلمانوں کو خواہ مخواہ خطرات کا اندیشہ ہو لیکن یہ خطرات اس نصاب کی تفصیل کے اندر ہیں، آپ نے یہ تو دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اس نصاب میں مذہب کا کہیں نام نہیں، خود گاندھی جی اور اس اسکیم کے مرتب کرنیوالے یہی اعلان کر رہے ہیں کہ ہم نے مذہب کو اس اسکیم سے بالکل الگ رکھا ہے لیکن جب ہم اس نصاب کی تفصیل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ مذہب کا عنوان تو اس میں کہیں نہیں، لیکن مسلمانوں کا مذہب اور ان کی تہذیب مٹانیکے لئے اس میں سب کچھ ہے لیکن وہ کچھ اس انداز سے رکھا گیا ہے کہ تا وقتیکہ گہری نظر سے نہ دیکھا جائے اس کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں لگ سکتا

اس کا تجزیہ کرنے کیلئے اس اسکیم کو چار اہم عنوانات کے ماتحت مختلف ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(اول) مذہب کا مسئلہ جو بمنزلہ روح ہے

(دوم) فلسفۂ زندگی کا مسئلہ جو تہذیب اسلامی کی اصل ہے

(سوم) زبان کا مسئلہ جس پر کسی قوم کے کلچر (ثقافت) کا انحصار ہے

(چہارم) معاشرتی زندگی جو کسی قوم کے رجحانات قلبی و ذہنی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

ان مسائل پر مختلف ابواب میں آئندہ صفحات میں بحث کیگئی ہے۔ مسئلہ اول و دوم چونکہ مقابلۃً زیادہ اہم اور پیچیدہ ہیں اس لئے ان پر نسبتاً شرح و بسط سے تبصرہ کیا جائے گا۔ شق سوم ایک الگ مضمون کی محتاج ہے اور شق چہارم میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

باب اوّل

مذہب کا مسئلہ

نصاب میں جو عنوان "سماج کا علم" ہے اس کی تفصیل رپورٹ کے صفحات ۱۱۹، ۱۱۸ پر دی ہوئی ہے۔ مذہب کے متعلق اس میں لکھا ہے۔

"دنیا کے مذہبوں کے اصول بتا کر یہ ثابت کیا جائے کہ خاص خاص باتوں میں سب مذہب ایک ہیں" (ص ۱۱۹)

اس اجمال کی تفصیل کے لئے وہ بیان ملاحظہ فرمایئے جو مہاتما گاندھی نے اخبارات میں شائع کیا ہے، یہ بیان ایک وفد کے سوالات کے جواب میں شائع ہوا ہے جو یہ دریافت کرنے کیلئے مہاتما گاندھی کے پاس گیا تھا کہ واردھا اسکیم میں مذہب کی کیا پوزیشن ہوگی آپ نے فرمایا۔

"ہم نے واردھا اسکیم میں سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ جس طرح مذہب کی آجکل تعلیم دیجاتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے، وہ بجائے اتحاد کے اختلافات پیدا کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس میرا یہ خیال ہے کہ سچائیاں، جو ہر ایک مذہب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں، بچوں کو پڑھائی جا سکتی ہیں اور ضرور پڑھائی چاہئیں۔ یہ سچائیاں الفاظ یا کتابوں کے ذریعے سے پڑھائی نہیں جا سکتیں، بچے ان سچائیوں کو اپنے استادوں کی روزانہ زندگی سے سیکھ سکتے ہیں اگر وہ استاد خود مذہب کی سچائیوں کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہو۔ صرف اسی صورت

ہیں بچے یہ سیکھ سکتے ہیں کہ واقعی سچائیاں اور عدل و انصاف تمام
مذاہب کے بنیادی اصول ہیں"

جب یہ سوال کیا گیا کہ سات سے چودہ برس کی عمر کے بچے تمام مذاہب کی یکساں
عزت کرنا سیکھ سکیں گے تو مہاتما جی نے فرمایا:

"ہاں۔ میرا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے، یہ حقیقت کہ تمام مذاہب
اہم اصولی باتوں میں بالکل ایک جیسے ہیں (بچوں کے دل میں یہ بات
پیدا کر دیں گے) کہ وہ دوسروں کے مذہب کی بھی ایسی ہی عزت کریں جیسی
اپنے مذہب کی کرتے ہیں یہ بڑی سادہ سی سچائی ہے اور سات برس کے بچے
اسے آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن سب سے
مقدم یہ ہے کہ اُستاد خود ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہو" (نیشنل کال مورخہ
۹ جون ۱۹۳۹ء)

بظاہر یہ اصُول آپ کو بڑی وسعت نظر، کشادہ ظرفی پر مبنی نظر آئے گا، لیکن یہی وہ
خطرناک گھاٹی ہے جہاں مسلمانوں کا مذہب تباہ کیا جائے گا، یاد رکھیے مہاتما گاندھی
اپنے الفاظ کے انتخاب میں بڑے ہوشیار واقع ہوئے ہیں، ان کی سطح ساکت و صامت
دریا کی روانیوں کی طرح ہوتی ہے لیکن اُن کے نیچے بڑے بڑے خطرناک اژدہے
چھپے ہوتے ہیں، سطح بیں نگاہیں اُن کی نظر فریب کشش سے دھوکا کھا جاتی ہیں،
جو سطح سے ذرا نیچے اُتر آئیں اُنہیں وہ خطرات بے نقاب نظر آجاتے ہیں وہ عظیم الشان
سازش جو ان الفاظ کی معصومیت کے اندر نقاب پوش ہے اُسے بے نقاب کرنے کیلئے
ہمیں ذرا تفصیل سے کام لینا ہوگا۔

مذہب کی تشریح

مذہب میں ایک تو وہ مہمات اصول ہوتے ہیں جن پر اعتقاد کا دارومدار ہے
ان اصولوں کو ایمانیات کہا جاتا ہے، دوسری چیز ان اصولوں کی تفصیلات مثلاً
قوانین، عبادات، مناسک، شعائر یعنی ظواہر ہوتے ہیں جنہیں شریعت کہا جاتا ہے
ایمانیات یعنی اصولوں کا تعلق قلب و دماغ سے سمجھنے سمجھانے سے ہوتا ہے اسلئے
یہ غیر محسوس ہوتے ہیں لیکن مذہب کی بنیاد انہی پر ہوتی ہے، ظواہر کا تعلق اعمال
حیات سے ہوتا ہے اس لئے یہ محسوس ہوتے ہیں، اب یہ ظاہر ہے کہ دو مختلف
مذاہب مثلاً اسلام اور ہندو مت میں شرع و منہاج کا فرق تو محسوس فرق ہے،
کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے طریق نماز اور ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں کس قدر
اختلاف ہے، ان محسوس و مشہود اختلافات کی موجودگی میں کسی کے سامنے
یہ کہنا کہ اسلام اور ہندو مت دونوں یکساں مذہب ہیں، اپنی ہنسی اڑانا ہے،
اس لئے مہاتما گاندھی نے اس چیز کو تو چھوا نہیں۔ البتہ اس کے متعلق یہ بات
ذہن نشین کرادی کہ یہ محسوس اختلافات کوئی اہم باتیں نہیں ہیں۔ یہ ثانوی
(SECONDARY) چیزیں ہیں اصل مذہب تو وہ اصول ہیں جن کو وہ عالمگیر
سچائی کہتے ہیں، یہ چونکہ غیر محسوس ہیں ان کا اختلاف آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا
دونوں میں اصولی سچائیاں ایک جیسی ہیں، اسلام کو ہندو مت پر کوئی برتری و
تفوق حاصل نہیں، یہ دعویٰ بڑا آسان ہے، اسلئے کہ ایمانیات کا فرق، اصولی سچائی
کا اختلاف محسوس شے نہیں مثلاً مسلمان بھی خدا پرست ہے اور ایک ہندو کو
بھی دعویٰ ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے اس لئے اس اصولی مسئلہ میں دونوں یکساں ہیں

سطح بین نگاہیں فوراً اس دھوکے کا شکار ہو جاتی ہیں، اس چیز کو ثابت کرنے کیلئے کہ ہندو کی خدا پرستی اور مسلمان کی خدا پرستی میں کیا فرق ہے دونوں مذاہب کی (مزعومہ یا حقیقی) آسمانی کتابوں سے خدا کے تصور کو واضح طور پر سمجھانا پڑے گا یہ ذرا مشکل مرحلہ ہے اور ہر شخص کے ذہن میں یہ بنیادی فرق راہ چلتے نہیں بٹھایا جا سکے گا، لہذا یہ وہ مقام ہے جہاں نہایت آسانی سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ عیسائیت کو اسلام سے ہمیشہ یہی خطرہ رہا کہ مہمات اصول میں جب دونوں کا باہمی موازنہ ہوگا تو عیسائیت ایک سیکنڈ کے لئے بھی سامنے ٹھہر نہ سکے گی، اس لئے انہوں نے ہمیشہ حقایق کو چھوڑ کر خالی جذبات کی راہ سے اسلام کا مقابلہ کرنا چاہا۔ ہندوؤں کو معلوم ہے کہ ایمانیات یعنی اصول مذہب میں جب کبھی ہندومت اسلام کے سامنے آیا تو وہ مت شیشے کی طرح چور چور ہو جائیگا۔ اس لئے ہندوؤں نے اپنی اس بنیادی کمزوری کو چھپانے کیلئے مدت سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ یہ مشہور کیا جائے کہ بنیادی سچائیوں کے لحاظ سے تمام مذاہب ایک جیسے ہیں، کسی میں کچھ فرق نہیں، کسی کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے فرق صرف ظواہر (یعنی شریعت) میں ہے۔ اور شریعت کچھ ایسی اہم شے نہیں بلکہ مذہب کے جتنے جھگڑے ہیں وہ شریعت کے اختلافات کیوجہ سے ہی ہیں یعنی محسوس اختلافات کو فتنہ و فساد کا موجب قرار دیدیا جائے اور غیر محسوس بنیادی اصولوں کو ہندومت اور اسلام میں قدر مشترک (COMMON FACTOR) قرار دیدیا جائے۔

یہ ایک بڑی گہری سازش ہے جو مدت سے اسلام کے خلاف آتش خاموش کی طرح پھیلائی جا رہی ہے، اس کی ابتدا اکبر کے دین الٰہی سے ہوئی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مختلف مذاہب عالمگیر سچائیوں کے لحاظ سے سب ایک جیسے ہیں،

یہ وہ فتنۂ عظیم تھا جس کو حضرت امام سرہندیؒ نے مسلسل جہاد سے کچلا۔ اور مختلف بزرگان دین نے بڑی بڑی قربانیوں سے اس سیلاب بلا انگیز کو آگے بڑھنے سے روکا یہ وہی دین الٰہی ہے جس کے متعلق بہار کے مسلمان کانگریسی وزیر ڈاکٹر سید محمودؒ نے لکھا ہے کہ مستقبل کے آزاد ہندوستان میں ہندوستان کی متحدہ قومیت کا یہی مذہب ہونا چاہیئے۔ (ملاحظہ ہو سوراجی اسلام مطبوعہ طلوع اسلام بابت ماہ جون ۱۹۳۹ء)

جب دین الٰہی کی اس سازش نے وہاں شکست کھائی تو اس نے تصوف کے راستے سر نکالا اور یہ مشہور کیا کہ مسلمانوں کا تصوف اور ہندوؤں کی ویدانت ایک ہی ہے، اور چونکہ مغز دین یہی حقیقت ہے، اس لیے یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں، چنانچہ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ کتنے ہندو، مسلمان فقیروں کے معتقد بن بیٹھے ہیں، یہی وہ نظریہ ہے جس کے ماتحت شاہیر اسلام میں سے حضرات علماء صلحاء، مجاہدین ملت کے مقابلہ میں صوفیائے کرام کو ترجیح دیجاتی تھی، لیکن تصوف پھر بھی گوشوں اور زاویوں میں چھپنے کا مسلک تھا، اس لئے دنیائے معاشرت میں یہی نظریہ "برہمو سماج" کی شکل میں ابھارا گیا۔ جو آج عملاً عام طور پر ہر قوم پرست مسلمان کا مذہب بن رہا ہے۔ جب زمین یوں ہموار ہوگئی تو گاندھی جی ایک قدم اور آگے بڑھے اور اپنی اسکیم میں مذہب کے متعلق یہی نظریہ تعلیم کا جزو لازم قرار دیدیا، آپ سمجھے بھی کہ اس سے کیا نتیجہ نکلا! ہندو مت جو اسلام کے سامنے ایک سیکنڈ کیلئے بھی ٹھہر نہ سکتا تھا، جسے مہذب محفلوں میں پیش کرتے ہوئے خود ہندو گھبراتے اور شرماتے تھے وہ ایک ہی جست میں ان پستیوں سے ابھر کر اسلام کے ہمدوش کھڑا ہوگیا، اور اسلام گاندھی جی کی معصوم کمند کے ایک جھٹکے میں عرش کی بلندیوں سے تحت الثریٰ کی پستیوں میں آگرا۔ آپ شاید

یہ کہدیں کہ واہ صاحب! ایک مہاتما گاندھی کے ایسا کہدینے سے کیا ہوتا ہے جبکہ
خود کانگریس کے اندر اسلام کی برتری اور فوقیت کو ثابت کرنے والی اتنی بڑی
ہستیاں موجود ہیں، لیکن جب آپ گاندھی جی کی نگہ دوربیں کی حقیقت سے واقف
ہوجائینگے اور کانگریس کے محافظین اسلام آپ کے سامنے بے نقاب ہوجائیں گے تو
اسوقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کی برتری اور فوقیت ثابت کرنیوالے کہاں ہیں!
مہاتما گاندھی کو جو بات دس سال بعد زبان پر لانی ہوتی ہے اس کی بنیاد وہ آج
رکھدیتے ہیں، پھر وہ ایسی کچی گولیاں بھی کھیلے ہوئے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی ہلاکت
و بربادی کے جال وہ کھلے بندوں اپنے ہاتھوں سے بچھاتے پھریں، انہوں اپنے استاد ام
سیاست سے یہ سبق سیکھ رکھا ہے کہ حرم کعبہ کے اندر ترکوں کے سینہ کو گولیوں کا نشانہ
بنانے کیلئے کسی غیر کو نہ بھیجو بلکہ خود وہیں سے کوئی "شریف حسین" تیار کرو۔ لہٰذا
گاندھی جی بھی مسلمانوں کی ہلاکت کیلئے مسلمانوں ہی کو تیار کرتے ہیں، آپ کو معلوم
ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد ۱۹۱۲-۱۳ء سے ایک تفسیر قرآن لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے
کئی دفعہ اس کے لئے کوششیں ہوئیں، لیکن کئی ایک وجوہ کے باعث وہ ارادہ
تکمیل کو نہ پہنچا۔ حتیٰ کہ انہوں نے تحریر کا شغلہ کم و بیش چھوڑ دیا، اور اپنی
توجہات دوسری طرف منعطف کرلیں، ۱۹۳۱ء میں ان کے
مشاغل بہت بڑھ چکے تھے، ان کی تفسیر ترجمان القرآن کی پہلی جلد چھپ کر
سامنے آگئی۔ اس تمام تفسیر کو تو کس طرح آپ کے سامنے لایا جائے، البتہ انہوں نے
تفسیر کے مقدمہ (یعنی تفسیر سورۂ فاتحہ) کے ضمن میں ملخصاً بیان کیا ہے۔ یعنی انہوں نے
اپنی تمام تفسیر کو (SUM UP) کیا ہے، یہ (SUMMARY) قابل ملاحظہ ہے

دین الٰہی کو سامنے رکھئے۔ برہمو سماج کے عقائد پر نگاہ ڈالیے، پھر گاندھی جی کے نظریۂ مذہب کو سامنے رکھئے اور اس کے بعد مولانا آزاد کی دین کی تشریح پڑھئے، ساری حقیقت آپ کے سامنے روشن ہو جائے گی، یہ بتانے کے بعد کہ مختلف مذہبی گروہوں نے دین کے سمجھنے میں کیا کیا غلطیاں کیں۔ اسلام کے متعلق ارشاد ہے۔

لیکن قرآن کریم نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا (الف) اس نے نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہدیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اس نے کہا کہ دین خدا کی بخشش ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(ب) اس نے کہا، خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لئے ہے پس پیروان مذہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔

(د) اس نے بتلایا کہ ایک چیز دین ہے، ایک شرع و منہاج ہے، دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح سب کو دیا گیا ہے، البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام و اعمال اس کے لئے اختیار کئے جائیں، پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں

ہو جا سکتے، تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

(ہ) اس نے بتلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور اُن کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں، یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں، ورنہ خدا کا ٹھیرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو شخص بھی ایمان اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرے گا اس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

(و) اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں، وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا۔ تمام مذاہب کی یہی مشترکہ اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے" (ترجمان القرآن جلد اول ۱۲۳، ۱۶۲)

حقیقی اسلام

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے۔ اور تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے جو خدا کا پیغام ازلی لوگوں تک پہنچاتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا یہ بھی دعویٰ ہے۔ اور کس قدر

حقیقت پر مبنی دعویٰ ۔ کہ وہ سچائیاں، وہ پیغام ازلی، یہ دین خداوندی دنیا میں کسی قوم کے پاس باقی نہ رہا، یا تو وہ حوادثِ ارضی وسماوی کی نذر ہو گیا یا انسانی ہاتھوں نے اس میں الحاق و تحریف کر دی، حق کو باطل کے ساتھ ملا دیا۔ دین کی صورت مسخ ہو گئی اور اس ضرورت کی بنا پر کہ دنیا میں کہیں خدا کی سچائیاں باقی نہ رہی تھیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (خشکی اور تری میں فساد ہی فساد رونما ہو چکا تھا) خدا تعالےٰ نے نبی اکرمؐ کی وساطت سے اپنا پیغام ازلی قرآن کریم کی شکل میں نازل فرمایا جو تمام سابقہ سچائیوں کا مہیمن ہے یعنی جتنی سچائیاں خدا کی طرف سے آتی رہی تھیں، پر لوگوں نے انہیں محفوظ نہ رکھا تھا وہ سب اس کے اندر ہیں اور ان کے علاوہ وہ تمام اصول زندگی جن کی قیامت تک انسانوں کو ضرورت پڑے گی وہ بھی اس کے اندر ہیں، گویا یہ پیغام خداوندی کا مکمل اور آخری ضابطہ ہے "الدین" اور "الاسلام" اس کے اندر آ کر مکمل بھی ہوا ہے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ اور محفوظ بھی (نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ) اس کی حفاظت خود خدا کے ذمہ ہے، اس ضابطہ کے اجمال کی عملی تفصیل محمد رسول اللہؐ کا اُسوۂ حسنہ ہے اور یہ مہمات اصول اور ان کی عملی تفصیل مل کر خدا کا سچا مذہب الاسلام بنتا ہے،

لہٰذا آج خدا کے نزدیک جو دین حقیقی ہے، جو سچا مذہب ہے، جو سچی شریعت ہے، وہ صرف وہی ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے جو شریعت محمدیہ کہلاتی ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اب سچائیاں اور کہیں نہیں، اگر سچائیاں کہیں اور بھی ہوتیں تو قرآن کریم نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، یہ تو نازل ہی اس لئے ہوا تھا کہ سچائیوں کا وجود دنیا سے گم ہو چکا تھا، لہٰذا آج دنیا کا کوئی مذہب، نہ اصول ہیں نہ شریعت ہیں اس کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس کا بدل (SUBSTITUTE) اور آج "الدین" اور "الاسلام"

کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن پر ایمان رکھا جائے اور شریعت محمدیہ کی اتباع کیجائے،
جو ایسا نہیں کرتا نجات وسعادت کا قطعاً مستحق نہیں ہے، یہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے،
اگر کسی کو اس میں ذرا بھی شک ہو تو وہ ہمیں اطلاع دے، ہم قرآن کریم کی نصوص صریحہ
سے اسے واضح طور پر ثابت کر کے دکھادیں گے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھئے، اور پھر
مولانا آزاد کی تفسیر کے مندرجہ صدر ٹکڑوں پر علماء کی حسب ذیل تنقید پر نگاہ ڈالئے۔

(الف) وہ فرماتے ہیں کہ:- ہر مذہب میں سچائی ہے، تمام مذہب سچے ہیں
قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ہر مذہب میں سچائی تھی، تمام مذاہب سچے تھے لیکن
قرآن کریم کے نزول کے وقت وہ سچائیاں گم ہو چکی تھیں، لہٰذا آج سچائیاں
صرف قرآن کے اندر ہیں، دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں

(ب) مولانا فرماتے ہیں کہ پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ
انہوں نے اپنی گروہ بندیاں بنالی ہیں لیکن قرآن کریم مسلمانوں کو ایک الگ
گروہ قرار دیتا ہے انہیں حزب اللہ (خدا کا گروہ) کہتا ہے[1]۔ انہیں خیر امتہ
اور امتہ وسطی کے القاب سے یاد کرتا ہے (یعنی بہترین جماعت، بہترین قوم)
لہٰذا مسلمانوں کا الگ گروہ قائم رہنا ان کی گمراہی نہیں بلکہ ان کے خدا
کا حکم ہے۔

(د) یہ درست ہے کہ دین ایک چیز ہے اور شرع و منہاج دوسری چیز، لیکن
یہ غلط ہے کہ دین سب جگہ ایک ہی ہے، اصل یہ ہے کہ دین ایک ہی طرح
پر سبکو دیا گیا تھا لیکن لوگوں نے اس کو بدل ڈالا، اور اب وہ صرف قرآن کریم

[1] - خدائے تعالیٰ نے مومنین مخلصین کو حزب اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے
(مولانا آزاد الہلال ۲)

کے اندر ہے۔

پھر یہ بھی درست نہیں کہ شرع و منہاج کا اختلاف یونہی معمولی سی بات ہے، شرع و منہاج وہ شے ہے جس کی خاطر رسول پر ایمان لانا پڑتا ہے، بحکم خداوندی اس کی اتباع کرنی پڑتی ہے اور چونکہ شرع عملی تفصیل ہوتی ہے اصول دین کی، اس لئے جب اسوقت دین وہی دین ہے جو رسول اللہ صلعم لائے تو شریعت بھی وہی شریعت ہے جو اُن کی وساطت سے ملی، نہ دین کہیں اور سے مل سکتا ہے، نہ شریعت ہی غیر اہم شے ہے۔

(ہ) جیسا کہ (ج) میں بتایا جا چکا ہے یہ قطعاً دھوکا ہے کہ مسلمانوں کی "گروہ بندی" ان کی اپنی بنائی ہوئی ہے، یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے، لہذا نجات و سعادت کے لئے متبعین محمد رسول اللہ کی جماعت میں شامل ہونا انہیں ناگزیر ہے۔ پھر یہ بھی غلط ہے کہ "ظواہر و رسوم" کو نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں، ظواہر و رسوم (مثلاً عبادت کے طریقے، حلال حرام کا فرق) شریعت کہلاتے ہیں اور شریعت دین ہی کی تفسیر کا نام ہے، "خدا پرستی" اور "نیک عمل" کے الفاظ بالکل مہمل ہیں اگر ان کی تشریح قرآن کریم کی رو سے نہ کیجائے۔ قرآن کریم کی رُو سے خدا پرستی وہ ہی خدا پرستی ہو سکتی ہے جو قرآن کریم کے متعین کردہ ایمان کے مطابق ہو اور اعمال بھی نیک قرار پا سکتے ہیں جن کو اُس نے نیک اعمال کہا ہو۔

(و) یہ قطعاً غلط ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ تمام پیروان مذاہب سچے ہیں وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ اپنے اپنے وقت میں مذاہب سچے تھے، لہذا

پیروان مذاہب اگر آج "فراموش کردہ سچائی" کو از سرِ نو اختیار کرنا چاہیں تو سچائی چونکہ دنیا میں اور کہیں نہیں اس لئے انہیں قرآن کریم پر ایمان لانا ہوگا۔ شریعت محمدیہ کی اتباع کرنی ہوگی اور اس طرح مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہونا پڑے گا۔ یہ ہے آج الدین اور "الاسلام"۔ یہ ہم نہیں کہتے خود مولانا آزاد بھی اپنے دورِ قومیت پرستی سے پیشتر یہی کہا کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش کریگا تو وہ دین قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کا ترجمہ ۱۹۱۳ء میں مولانا یوں کرتے تھے۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۳:۸۴) "اب سے جو ان احکامِ اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا تو یقین کرو اس کی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی" (الہلال ۲۲ء ۱۳)

لیکن اسی آیت کا ترجمہ دورِ قومیت پرستی کے بعد یوں کیا جاتا ہے:۔

اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا .... (ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۵۸)

اور اس "عالمگیر سچائی" کی تشریح آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں "الاسلام" نام تھا "احکامِ اسلامی" کا اور ۱۹۳۱ء میں وہ نام ہوگیا اس عالمگیر سچائی کا جو ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ حالات کے بدلنے سے آیات کے ترجمے تک بدل گئے

اس تفسیر کا اثر

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہی چیز جو کبھی "دینِ الٰہی" کی شکل میں سامنے آئی تھی
پھر وہ "برہمو سماج" کے رنگ میں نمودار ہوئی اور جسے اب مہاتما گاندھی تعلیمی نصاب
میں پیش کر رہے ہیں لفظاً لفظاً وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنے دورِ قومیت پرستی
کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے، یعنی تمام مذاہب اپنی بنیادی سچائیوں کے اعتبار سے
یکساں ہیں، فرق شریعتوں میں ہے اور شریعتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں، اس امر
کے اعلان کے لیے مہاتما جی نے اتنے عرصہ پیشتر سے زمین ہموار کرنا شروع کر دی تھی
چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی ہے تو مہاتما گاندھی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ
میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں کہا کہ مجھے ایک عرصے سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر
مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات و سعادت اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیوں
کو اپنے اندر ہی بتلائے، لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی، اب جو مولانا آزاد
نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب
میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے، لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے مقدمہ کا ہندی
ترجمہ کر کے شائع کرایا ہے۔ اس کے بعد پانچ چھ برس تک مختلف قومیت پرست مسلمانوں
کی طرف سے اسی اسلام کا اعلان ہوتا رہا۔ ان کی طرف سے مضامین شائع ہوتے رہے
تقریریں ہوتی رہیں، جب یوں میدان صاف ہو گیا تو اب مہاتما جی نے اس نظریہ کو
اپنی تعلیمی سکیم میں شامل کر دیا، اگر اتنی زمین ہموار کئے بغیر پہلے ہی یہ نظریہ مہاتما جی کی طرف
سے پیش ہوتا تو مسلمان بدک جاتے، لیکن مہاتما جی نے نہایت "حسن تدبر" سے اپنی
مخصوص دانشمندی سے مسلمانوں کے ذہن کو اس کے قبول کرنے کے لئے تیار کرایا۔

اور اس کے بعد اس کا اعلان کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ آج خود مسلمان اس اسکیم پر
احسنت و مرحبا کے نعرے لگا رہے ہیں، آپ کے قوم پرست علما حضرات جو آمین بلند و
آہستہ کہنے پر ایک دوسرے کو کافر بناتے رہتے ہیں، جن کے نزدیک دین کی جزئیات کی
اتنی اہمیت ہے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والے کو نجات و سعادت سے محروم
قرار دیتے ہیں وہ آج اسلام کی اس جدید تعریف (DEFINITION) کی رُو سے
اس شخص کو جسے کل تک وہی کافر و مشرک کہا کرتے تھے اسی طرح نجات و سعادت کا
مستحق قرار دیتے ہیں جس طرح مسلمان کو، بلکہ مسلمان کو وہ عملی گمراہی میں سمجھتے ہیں،
کہ یہ اپنی "گروہ بندی" الگ قائم رکھنا چاہتا ہے اور ہندو ان کے نزدیک صحیح اسلام کا
پیرو ہے جو ان گروہ بندیوں کو توڑ کر ایک متحدہ قومیت بنانا چاہتا ہے، ذرا خدا کے
لئے پوچھئے کسی عالم سے، پوچھئے کسی فقیہ سے، پوچھئے کسی مولانا سے، پوچھئے کسی
امیر شریعت سے کہ کیا فی الواقع "اسلام" وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں پیش
کیا ہے؟ کیا "ہندو مت" اور "اسلام" واقعی اپنی بنیادی سچائیوں کی رُو سے بالکل یکساں
ہیں؟ کیا مذاہب کے "ظواہر و رسوم" فی الحقیقت بیکار و مہمل ہیں کہ بچوں کو جن کی تعلیم
دینا اصل دین سے بیگانہ کر دینا ہے؟ کیا واقعی شریعت محمدیہ کو نجات و سعادت میں
کوئی دخل نہیں؟ پوچھئے اُن سے کہ آج ان کی اس دینی حمیت کو کیا ہوا جو شریعت
سے ذرا سے اختلاف کو برداشت نہ کر سکتی تھی! دریافت کیجئے اُن سے کہ ان کے فتاویٰ
کی مہروں کو کون چرا کر لے گیا جو ظواہر و رسوم کے اختلافات کے فیصلوں کے لئے
ہر وقت سجدہ ریز رہا کرتی تھیں، کس نے ان کے قلموں کی سیاہیاں خشک کر دیں؟
کیا چیز آج اُن کے گلوگیر ہو گئی کہ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں، لیکن نہ کچھ لکھ سکتے ہیں نہ بول

سکتے ہیں۔ آپ ایک دفعہ یہ تسلیم کر لیجئے کہ سچائیاں جو اصلی دین ہیں ہر مذہب میں یکساں ہیں اور شرائط جن میں اختلاف ہے وہ کچھ اہمیت نہیں رکھتیں پھر اپنے آپ سے سوال کیجئے کہ یہ جو آپ کے علماء حضرات منبروں، اور اسٹیجوں پر اسلام کی خصوصیات پر خطبے اور لکچر دیتے ہیں، اس کے کیا معنی رہ جاتے ہیں، کیا یہ سب کچھ بقول مہاتما گاندھی اس لئے نہیں کیا جاتا کہ آپ محض سیاسی اغراض کی خاطر غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں، پھر پوچھئے کہ جب آپ کے بچوں کو کامل سات برس تک جبری طور پر اس عقیدہ کی تعلیم دیجائے گی تو اُن کے نزدیک اسلام میں کونسی کشش باقی رہیگی جس کی خاطر وہ اسے کتمسک ہیں وہ بچے جب ہندوؤں کو بھی اسی قسم کی سچائیوں کا حامل سمجھے گا جس قسم کی سچائیاں قرآن کریم میں ہیں تو وہ پھر ہندو قوم میں شامل کیوں نہ ہو جس کے پاس مسلمانوں سے کہیں زیادہ دھن دولت ہوگا، لاکھوں بھنگی اور چمار (اچھوت) عیسائیوں کی "مکتی فوج" میں اس لئے شامل ہو گئے کہ اُن کے اپنے مذہب میں انہیں کوئی تفوق نظر نہیں آتا اور جس مذہب کی انہیں دعوت دیجاتی تھی وہ حاکم قوم کا مذہب تھا، کیا یہی چیز مسلمان بچوں کے ساتھ بھی نہ ہوگی، سوامی شردھانند کی تحریک شدھی تو یونہی بدنام ہو گئی کہ وہ کھلے بندوں نام لیکر شدھی ہوتی تھی، مہاتما جی اس وقت ہنستے ہوں گے کہ کیا دورِ جہالت کا سا طریق عمل اختیار کیا گیا ہے، مسلمانوں کو شدھ کرنے کا طریقہ اس سے جداگانہ ہے، انہوں نے اسی زمانہ سے خاموش شدھی کی اسکیم کا خاکہ تیار کر لیا جس کا سنگ بنیاد مولانا کے مقدس ہاتھوں سے رکھوایا گیا۔ اور اب اس کی عمارت کھڑی کی جا رہی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم زیج کے طور پر دلائیں لیکن ذرا اس پر

اور فرمائیے کہ اسکول میں تو اُسے پڑھایا جائے گا کہ تمام مذاہب اصولی طور پر یکساں
ہیں اور گھر پر اُسے پڑھایا جائیگا کہ اسلام دیگر مذاہب سے بلند و بالاتر مذہب ہے بلکہ خدا کا
مذہب ہے، یہی نہیں بلکہ اُسے گھر پر شریعت کی بھی تعلیم دی جائے گی اور یہ وہ تعلیم
ہوگی جس کی نسبت مہاتما جی نے فرمایا ہے کہ تمام لڑائی جھگڑوں کا باعث ہی یہ تعلیم ہے
یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ کیسے چلیں گی، یہ بھی واضح رہے کہ اسکولوں میں مذہبی
تعلیم کتابوں کے ذریعہ نہیں ہوگی اسلئے کہ مہاتما جی کو خوب علم ہے کہ وید کسی طرح قرآن
کے سامنے لائے ہی نہیں جا سکتے، تعلیم ہوگی اُستادوں کی زندگی کے ذریعہ سے، اور
ظاہر ہے کہ کانگریسی حکومت کے مقرر کردہ استاد کوئی ڈاکٹر اشرف کوئی جوش ہی ہونگے
یا وہاں وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود جیسے ہوں گے جو مسلمانوں کا سا نام الگ نام رکھنا بھی
متحدہ قومیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہاں کے اُستاد جس ڈھنگ کے ہوں گے وہ ظاہر ہے

باب دوم
فلسفۂ زندگی

مذہب کے متعلق تو آپ دیکھ چکے اب فلسفۂ حیات کو لیجئے، مسلمانوں کے نزدیک
فلسفۂ زندگی مذہب سے الگ شے نہیں، یوں سمجھئے کہ مذہب جس رنگ میں انسان کو رنگنا
چاہتا ہے وہ اس کا فلسفۂ زندگی ہوتا ہے، ہندو دیوگیوں کا فلسفۂ حیات "اہنسا"[۲] ہے
جس کے معنی عدم تشدد (NON VIOLENCE) کئے جاتے ہیں لیکن عدم تشدد
سے اس کا صحیح مفہوم ذہن میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس سے مفہوم وہ فلسفۂ زندگی ہے

---

[۱] ملاحظہ ہو سوراجی اسلام، مطبوعہ طلوع اسلام جون ۳۸ء (م)
[۲] ہندوؤں کے شاستروں میں اہنسا کو "پرمو دھرم" (اعلیٰ مذہب) لکھا ہے۔

جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یعنی جو ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی سامنے کر دو۔ ماحصل یہ کہ ہمیشہ مار کھائے جاؤ لیکن سامنے سے ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ جب ہاتھ اٹھاؤ گے تو وہ ہمسا ہو جائے گا کہ قوت و طاقت کا استعمال ہمسا ہے اور مار کھاتے جانے کا طرزِ عمل اہمسا ہے یہ وہ فلسفہ ہے جس کے "اوتار" آج مہاتما گاندھی سمجھے جاتے ہیں اور وہ اس فلسفہ کو انسانیت کی بہترین تعلیم قرار دیتے ہیں، واردھا اسکیم جس کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ اس کو مذہب سے کچھ علاقہ نہیں فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اس کی بنیاد اہمسا پر رکھی گئی ہے، چنانچہ رپورٹ زیرِ بحث میں سب سے مقدم بنیادی اصول کے ماتحت لکھا ہے کہ "ہمارے بچوں کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ اہمسا کا طریقہ ہمسا سے اچھا ہے (رپورٹ ص۱۱۱)

پھر "سماج کے علم" کے عنوان میں درج ہے۔

"جن لوگوں نے قوموں کو آزاد کرایا ہے اور امن کے ذریعہ صلح حاصل کی ہے ان کی کہانیاں کورس کی کتابوں میں خاص طور پر ہونی چاہئیں، انسانوں کی زندگی سے ایسے سبق سکھانے چاہئیں جن سے اہمسا اور اس کے ساتھ کی خوبیوں کا ہمسا دھو کے اور دغا سے اچھا ہونا ثابت ہو" (ص۱۱۹)

ہمسا یا اہمسا

ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا قرآن کریم کی رو سے، اسوۂ حسنہ کی رو سے، صحابہ کبار رضؓ کی حیاتِ مقدسہ کی رو سے، مسلمان کے لئے فلسفۂ زندگی یہی ہے جس کی تعلیم جبراً ان کے بچوں کو دی جائے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے وہ خواہ مخواہ دوسروں کو ستانے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ اس سے بڑی سختی سے روکتا ہے

اپنے بیگانے سب کی عزت، عصمت، جان، مال، مذہب کی حفاظت کرنا سکھاتا ہے
اور اس کے لئے وہ برائی کو بھلائی سے روکنے کا سبق دیتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ
لیکن اس کے نزدیک صرف اتنا حصہ فلسفۂ زندگی کا ایک شعبہ ہے، زندگی صحیح
فطرتِ انسانی کے مطابق نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس عاجزی اور نرمی کے حصہ کیساتھ
دوسرا حصہ اور نہایت اہم حصہ بھی شامل ہو یعنی وہ کہتا ہے کہ دنیا میں عفو، درگذری،
نرمی، لینت، رواداری بڑے عمدہ اصول ہیں، لیکن جب ایسا وقت آجائے، کہ
شریر النفس انسان دوسروں کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور کمزوروں اور
ناتوانوں پر خدا کی یہ وسیع و عریض زمین تنگ کردیں، جب ایسا وقت آجائے کہ نرمی
و عاجزی، عفو اور درگذری سے ظالم کی سرکشی، اس کا ظلم و استبداد اور بڑھتا چلا جائے
اس وقت یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے،
امن آلہی کی محافظت کے لئے ظالم کے ظلم کو قوت سے روکو، اور اس کی سرکشی اور
زبردستی کو پوری طاقت اور زور کے ساتھ کچل کر رکھدو، اس کے تکبر و نخوت، اس کی
فرعونیت و نمرودیت کو چور چور کردو کہ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، فتنہ و فساد،
ظلم و استبداد، سرکشی اور تغلم قتل سے کہیں زیادہ شر انگیز ہے کہ جس کی انگلی پر
ایسا ناسور ہو جائے جو ناقابل علاج ہو اور اس کے زہر کا سارے جسم میں پھیلجانے
کا اندیشہ ہو تو اس انگلی کا کاٹ کر پھینک دینا ہی عین مصلحت ہے، اگر آپ کو
مظلوم کی حفاظت مقصود ہے تو ظالم کے ظلم کو ہر طرح سے روکنا ہوگا، اگر پُر امن
انسانوں کی عزت، عصمت، جان، مال کا تحفظ مطلوب ہے تو قاتلوں کو حوالۂ دار و
رسن کرنا ہوگا۔ مجرموں کو سزائیں دینی پڑیں گی عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے

محکمہ عدالت ناگزیر ہے اور محکمہ عدالت کے قیام و بقا کے لیے شمشیر جگر دار کا ساتھ ہونا بھی لاینفک ہے، کوئی قانون ایسا نہیں جو دنیا میں بغیر قوت کے نافذ العمل ہو سکتا ہو۔ قرآن کریم نے اسی حقیقت کبریٰ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ، اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۵۷-۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتابیں یعنی قوانین عدل و انصاف نازل کیے تاکہ لوگ ٹھیک اپنے ٹھکانے پر اعتدال کے ساتھ رہیں اور (ان کے ساتھ ہی) ہم نے فولادی شمشیر لوہے کو بھی نازل کیا جس میں سخت قوتوں کے راز پوشیدہ ہیں اور لوگوں کے لئے اور بھی) فائدے ہیں تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون اسکی اور اس کے رسولوں کی بلا دیکھے مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا، زبردست غالب ہے۔

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں:۔

سوچا بھی ہے اے مرد مسلمان کبھی تو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار

اس بیت کا یہ مصرعہ اول ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار

خدا کی کتاب یعنی قوانین الٰہی کے ساتھ ساتھ تلوار بھی نازل ہوئی ہے کہ لوگوں کو ٹھیک ٹھیک اپنے ٹھکانے پر رکھا جائے، جاوید نامہ میں حضرت علامہؒ خاتون محترمہ شرف النساء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کی قبر پر تلوار اور قرآن رکھا جائے گا

این دو قوت حافظ یکدیگر اند ۔۔۔ کائنات زندگی را محور اند
مومناں را تیغ با قرآں بس است ۔۔۔ تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا خدا قَوِیٌّ عَزِیزٌ ہے، بے انتہا قوتوں کا مالک اور غالب زبردست ہے، اس لئے اس کے رنگ میں رنگی ہوئی قوم بھی قوت و سطوت کی مالک ہونی چاہیئے، اہمسا کی پرستار تو اس خدا کی قوم ہو سکتی ہے جو اسد درجہ بے بس اور مجبور ہو کہ اس پر کوئی پتھر بھی پھینک دیا جائے تو وہ ہاتھ نہ اٹھا سکے، مٹی کے بُت اور ایک خدائے حیّ و قیّوم میں جتنا فرق ہے اتنا ہی اہمسا کے "اوتار" اور ایک مرد مجاہد میں ہے۔ مسلمان کا ہیولیٰ تو اہمسا اور ہمسا دونوں سے مل کر بنتا ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ۔۔۔ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

نبی کریم نے عفو و درگذری کا جو نمونہ اپنی حیات مقدسہ میں پیش کیا اس کی نظیر دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مدعی امن و صلح کے ہاں نہیں مل سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی جب قوت اور طاقت کے استعمال کی ضرورت پڑی تو کم و بیش (۸۲) لڑائیوں (غزوات و سرایا) میں خود شمشیر بدست شریک ہوئے یا ان قدوسیوں کی جماعت کو روانہ فرمایا جو دنیا میں انسانیت کے معراج کبریٰ کے مظہر اتم تھے۔ وہ مسلمان جن کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (۹/۱۱۱)

سلہ۔ تلوار قرآن کریم کی حفاظت کرنیوالی ہے، یہ تو ظاہر ہے، لیکن نکتہ بلیغ یہ ہے کہ قرآن کریم بھی تلوار کا محافظ ہے۔ تلوار کو اس محافظ کے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ تلوار چنگیز خان، ہلاکو، ہٹلر، نپولین اور مسولینی بن جاتی ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ قرآن محافظ ہو تو یہ عمرؓ و خالدؓ کی صورت اختیار کرتی ہے اور دونوں میں فرق ظاہر ہے ۱۲ منہ

بے شک اللہ نے مؤمنین سے بعوض جنت ان کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں اور (اسکا عملی ثبوت یہ ہے کہ) وہ لوگ اللہ کے راستے میں (میدان جنگ میں) لڑتے ہیں سو یا تو دشمن کو تہ تیغ کر کے (فاتح و مظفر لوٹتے ہیں) یا وہیں خاک و خون میں غلطاں ہو کر رسم شہادت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔

مومن کی تو شان یہ ہے کہ اگر دنیا قوانین الٰہی کے مطابق نہ چلے تو اس دنیا کو زیر و زبر کر دے اس زمین و آسمان کو الٹ دے ، اس جہان آب و گل کو درہم برہم کر دے

گفتند جہان ما - آیا بتو می سازد   گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

مومن دنیا میں پانی کی طرح ہر قالب میں ڈھل جانے کیلئے نہیں پیدا ہوا بلکہ یہ تو دنیا والوں کو اپنے خدا کے وضع کردہ قالب میں ڈھالنے کیلئے پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ پانی ہے تو خود بخود اس کے قالب میں ڈھل جائیگا، اور اگر لوہا ہے تو اُسے یہ اپنے جلال کی آتش سوزاں میں پگھلائے گا، تا آنکہ وہ مائع بن کر اس کے قالب میں ڈھل جائے۔ یہ دنیا میں قوانین الٰہی کا نافذ کرنے والا[1] ہے اگر شریف النفس انسان اسے نرمی اور محبت سے مان لیں تو اس سے بڑھکر کوئی مہربان نہ ہوگا لیکن اگر سرکش اور ضدی انسان اس قانون سے بغاوت کرے تو اس جیسا سخت گیر کوئی نہ ہوگا، مومن وہ ہے کہ

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ

اہنسا کا فلسفہ تو ان کا ہے جو آسمانی بجلی کڑکی تو اس کے سامنے ہاتھ باندھکر کھڑے ہو گئے، بادل گرجا تو اس کے سامنے سجدہ میں جھک گئے ، سانپ دیکھا تو ڈنڈوت کرنے

---

[1] ان قوانین کی رو سے غیر مسلموں کی مذہبی آزادی برقرار رکھی جاتی ہے اس میں مداخلت نہیں کی جاتی -۱۲

لے، اپنے ہاتھوں سے بُت تراشا اور اسے خدا بنا کر بیٹھ گئے لیکن جو اس تمام کائنات کو
مسخر کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہو وہ انسان کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے (وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا) انسان تو اُن کا فلسفہ ہے کہ جنہوں نے جب آنکھ کھولی،
اپنے آپ کو دوسروں کا غلام ہی دیکھا لیکن جو بارہ برس کے اندر چالیس ہزار شہر لو فتح
کر لینے والی قوم ہو اسکو صرف انسان سے کیا واسطہ، نبی اکرم سے دریافت کیا گیا کہ مومن
کی زندگی کیا ہے، فرمایا کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو وہ میدان جنگ میں ہو، اور جب نہ ہو رہا ہو
تو اسکی تیاری میں مصروف ہو۔ میدان جہاد کا نقشہ تو آپ نے آیت مندرجہ صدر
(يُقْتَلُوْنَ وَيَقْتُلُوْنَ) میں دیکھ لیا۔ تیاری میں مصروف رہنے کے متعلق ارشاد ہے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (پ)

اور جسقدر قوت (وسامان) تم سے ہو سکے اس سے اور پلے ہوئے گھوڑوں
سے تم اللہ اور اپنے دشمنوں (کے مقابلہ) کی تیاری رکھو تاکہ (اس قوت
وشوکت سے) اُن پر تمہارا رعب قائم رہے۔

کیسے کہ وہ قوم جس کا راز حیات ان احکام کے اندر پوشیدہ ہو، اس کا فلسفہ زندگی
بیانا ہو سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ فلسفہ زندگی جس میں جمال کے ساتھ
جلال کا عنصر بھی شامل ہے غیر مسلموں کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتا رہا ہے، کوئی ڈاکو
بھی کوتوال کو اچھا نہیں سمجھ سکتا، اس لئے انہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اس
فلسفہ زندگی کو گھناؤنا بنا کر دکھایا جائے، اس کی تصویر ایسی کھینچی جائے کہ جو دیکھے اس سے
نفرت کرنے لگ جائے، عیسائی مستشرق ایک عرصہ تک اس کی نشر و اشاعت کرتے رہے

ہیں (اور اب بھی کر رہے ہیں) نتیجہ اس پروپیگنڈے کا یہ ہوا کہ غیر تو غیر، خود مسلمان بھی اس
قوت و شوکت کے فلسفۂ حیات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گیا، گزشتہ پچاس برس
آپ ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھئے بالعموم جہاد کے مسئلہ میں وہ کچھ ایسے جھجکتے
ہوئے سے نظر آئیں گے، اُن کا کچھ ایسا (APOLGETIC ATTITUDE) ہے
کہ اول تو ان کی یہ خواہش ہوگی کہ کسی طرح قرآن کریم سے یہ آیتیں خارج ہی ہو جائیں تو
اچھا ہے لیکن چونکہ اس پر ان کا بس نہیں چلتا اس لئے وہ آیات کی ایسی مضحکہ خیز تاویلیں
کرتے ہیں جن سے کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اُس زمانے کے احکام تھے جس میں
ابھی دنیا اتنی "مہذب" نہ ہوئی تھی، وہ دور وحشت و بربریت تھا، یہ احکام وقتی تھے
اُس زمانے کے مخصوص حالات کے ماتحت عربوں کی اس جنگجو قوم کے مقابلہ میں اس قسم
طرز عمل کی ضرورت پڑ گئی، لیکن اب یہ تمام آیات "منسوخ" ہو چکی ہیں اور اب جہاد صرف
"اشتہار نویسی" اور "مناظرہ بازی" کا نام رہ گیا ہے، اس پروپیگنڈے کی تکمیل کیلئے
قادیان میں ایک نبی بھیج گیا ہے اور اس نے فیصلہ ہی کر دیا کہ جہاد بالسیف اب سے
قطعاً ممنوع ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ،

ہو اگر قوتِ فرعون کی در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہی

ایک مثال

اس منظم سازش کے متعلق حضرت علامہؒ اپنی مثنوی اسرار و رموز میں تمثیلاً
بیان فرماتے ہیں کہ کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا، وہاں کی بھیڑیں جب اس سے تنگ
آ گئیں تو انہوں نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اس آفت کا کیا علاج کیا جائے، انہیں جو

یاوہ سیاست دان بھیڑ تھی اُس نے کہا کہ دیکھو بھئی اگر تم تمام بھیڑیں بھی اکٹھی ہو جاؤ
تب بھی ایک شیر نہیں بن سکتیں، لہذا اپنے آپ کو شیر بنانے کا خیال محض وہم ہے البتہ
کوشش ہونی چاہئے کہ اس شیر کو کسی طرح بھیڑ بنا دیا جائے، چنانچہ اس بھیڑ نے
گیروے رنگ کے کپڑے پہنے، ماتھے پر تلک لگایا۔ پاؤں میں کھڑاویں پہنیں اور اکھور
بھگتی، ایشور بھگتی کا منتر جپتے ہوئے شیر کی طرف چلی، شیر نے دیکھا کہ ایک دیوتا سروپ
بنا چلا آرہا ہے ڈنڈوت کی اور پاس بیٹھ گیا، بھیڑ نے آشیرباد دی اور نہایت مسکین
سی شکل بنا کر اپدیش دینا شروع کیا کہ بابا! یہ دنیا چند روزہ ہے، مایا کا جال ہے، یہ خونریزی
اور گوشت خوری کی زندگی بھلے مانسوں کا کام نہیں، دشمن سے پریم کرو، اپنے آپ کو مارو
تاکہ شانتی اس سے حاصل ہوگی ؎

ای کہ می نازی بذبح گوسفند	ذبح کن خود را کہ باشی ارجمند
زندگی را می کند ناپایدار	جبر و قہر و انتقام و اقتدار
غافل از خود شو اگر فرزانۂ	گر ز خود غافل نۂ دیوانۂ
چشم بند و گوش بند و لب ببند	تا رسد فکر تو بر چرخ بلند،

گوسفند کی یہ خواب آور فسوں سازی کارگر ہو گئی اور شیر اس کا چیلہ بن گیا، اب ہتیا
کی جگہ اہنسا کا فلسفہ اس کی زندگی کا طرز عمل تھا، گوشت چھوڑ کر گھاس پات پر گذران
کرنے لگی، وہ قوت و ہیبت، وہ تندی و تیزی، وہ جلال و جبروت مسکینی و عاجزی،
کمزوری و ناتوانی، بزدلی و دون ہمتی میں بدل گئی، رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ ؎

از علف آن تیزئ دندان نماند	ہیبت چشم شرر افشان نماند
دل بتدریج از میان سینہ رفت	جوہر آئینہ از آئینہ رفت

آں جنونِ کوششِ کامل نماند — آں تقاضائے عمل در دل نماند

اقتدار و عزم و استقلال رفت — اعتبار و عزت و اقبال رفت

پنجہ ہائے آہنی بے زور شد — مردہ شد دلہا و تنہا گور شد

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی — کوتہ دستی، بیدلی، دوں فطرتی

نتیجہ یہ کہ:- شیر بیدار از فسونِ میش خفت

اور قیامت یہ کہ:- انحطاطِ خویش را تہذیب گفت

ناصحانِ مشفق

یہ گوسفندی ناصحانِ مشفق پہلے پادریوں کی صورت میں جلوہ فرما ہوا کرتے تھے
انگلستان سے چلتے تو اپنے اسلحہ بنانیوالے کارخانوں کو تاکید کرتے کہ دیکھنا تمہاری
بھٹیاں کہیں ٹھنڈی نہ پڑ جائیں، سولہ سولہ انچ دہانے کی توپیں، چار چار من کے
ڈھلتے چلے جائیں لیکن مشرق میں مسلمانوں کو مسیح کی منادی سنائی جاتی کہ خدا کی بادشاہت
کمزوروں، ناتوانوں اور ضعیفوں کا حصہ ہے۔ افیون کھا کر سو رہو تاکہ ملوکیت کے
شکنجے اچھی طرح سے تم پر کسے جائیں وہ ان کو آسمانی بادشاہت کے خواب آور افسانے
سناتے رہے حتیٰ کہ زمین کی بادشاہت یکسر دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی وہ دور ختم ہوا
تو وہی بھیڑ اب سادھو مہاتماؤں کے چولے میں مسلمانوں کے سامنے اہنسا کا پرچار
کرنے لگی، ڈاکٹر مونجے ملٹری کالج کھول رہا ہے، بھائی پرمانند سنگھٹن کے اکھاڑے قائم
کر رہا ہے اور کوئی ان کو آتما گیان اہنسا کا شلوک نہیں سناتا، لیکن مہاتما گاندھی جی
نازک دل انسانیت کے ظلم و ستم سے اسقدر متاثر ہوتا ہے کہ سرحد کے پٹھانوں کو اہنسا
کا سبق دینے جاتے ہیں۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

"سیٹھان کا ہتوا" بھارت ماتا کے سر پر جن کی طرح سوار تھا، اس کے دفعیہ کا یہی مؤثر طریقہ سمجھا گیا کہ اپنے ہاں طرزی کالج کھولے جائیں اور وہاں کے خان کو "گاندھی" بنا کر ہاتھ باندھ کر ڈنڈوت کرنا سکھایا جائے اور اس کے بعد جو جبری تعلیم رائج کیجائے اس میں بچوں کے دلوں پر یہ نقش کیا جائے کہ اہنسا کا نظریۂ زندگی ہمیشہ ہنسا سے اچھا ہوتا ہے یہی نہیں، ہنسا کی بُرائیاں اچھی طرح سے واضح کیجائیں اور تاریخ عالم سے اُن مشاہیر کی کہانیاں پڑھائی جائیں جنہوں نے اہنسا کے ذریعہ دنیا میں امن حاصل کیا ہے یعنی مہاتما بدھ کی سوانح حیات اُجاگر کر کے دکھائی جائے، اور محمد رسول اللہ کی زندگی (نعوذ باللہ) گھناؤنی بتائی جائے، ہندوستانی غلاموں کا دستور حیات درخشندہ نظر آئے اور عمر و خالد کا طرز عمل (خاکم بدہن) مردود قرار پائے، ذرا تصور میں لائیے اُس وقت کو کہ آپ کے بچے سات برس کی عمر سے چودہ برس کی عمر تک اس تعلیم کے لئے مجبور کئے جائیں جس کی رُو سے نبی اکرمؐ سے لیکر شاہ اسمٰعیل شہید رح تک تمام مجاہدین اسلام کا فلسفۂ حیات نفرت انگیز ہو اور اس کے برعکس ہندوستان کے تمام لوگی، سنیاسی اور اُن کے سرخیل مہاتما گاندھی خدا کے اوتار سمجھے جائیں، غور فرمائیے کہ نتیجہ کیا ہوگا، ہندوؤں کی تو سلطنت ہوگی اس لئے ان کے بچوں کو اہنسا پڑھائیے یا ہنسا اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا بلکہ اہنسا سے ان کے دلوں میں اپنے بزرگوں کی عزت، اپنے مذہب کی عظمت اور مسلمانوں کے مشاہیر سے نفرت اور اُن کے مذہب سے حقارت کے جذبات پیدا ہوں گے لیکن غور فرمائیے کہ مسلمان بچوں کی ذہنی اور قلبی کیفیت کیا سے کیا بن جائے گی، مہاتما جی کسقدر معصومانہ

انداز سے فرماتے ہیں کہ موجودہ انداز پر مذہبی تعلیم سے چونکہ اختلافات بڑھتے ہیں اس لئے مذہبی تعلیم کو واردھا اسکیم سے خارج کردیا گیا ہے، لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ اہنسا کی خوبیاں اور ہنسا کی برائیاں بتانے سے کوئی اختلاف پیدا نہ ہوگا! اس "نہایتمیت" کے خوشے کو اُتار دیجئے تو نیچے سے صاف نظر آجائے گا کہ مقصد اصلی کیا ہے! مقصد یہ ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیم جبراً روک دی جائے اور اس کے بجائے ہندو مت کی تعلیم عام کردی جائے،

اعترافِ حقیقت

"ہنسا اہنسا اور اسلامی تعلیم میں اتنا کھلا ہوا فرق ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پچھلے دنوں جب واردھا اسکیم کے سلسلہ میں شملہ تشریف لائے تو انہوں نے اسکیم کے متعلق صندل ہال میں تقریر فرمائی، تقریر کے بعد ایک پرائیویٹ صحبت میں اُن سے اہنسا اور اسلامی فلسفۂ حیات کے متعلق کچھ سوالات کئے گئے تو انہوں نے .... کھلے الفاظ میں اقرار کرلیا کہ فی الواقعہ یہ غلطی ہے، اسلام کا فلسفۂ زندگی صرف اہنسا نہیں بلکہ ہنسا اور اہنسا دونوں کا امتزاج ہے، اب پتہ نہیں کہ جناب ڈاکٹر صاحب اس غلطی کا اعلان بھی فرماتے ہیں یا نہیں لیکن ہم تو بالکل واضح الفاظ میں اعلان کردینا چاہتے ہیں کہ اسلام نرمی اور انکساری کے ساتھ ساتھ سختی اور درشتی کا بھی مذہب ہے یہ جلال اور جمال کا مذہب ہے یہ محبت اور قوت کا مذہب ہے، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ بھی اسی خدا کا حکم ہے جس کا حکم رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہے، فَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (فتنہ پردازوں کو جہاں پاؤ کچل ڈالو) یہ بھی اسی خدا کا ارشاد ہے جس کا ارشاد فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا (معاف کرو اور در گذری کرو) ہے، مسلمان کو حکم یہ ہے سہ

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر — شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا

گذر جا بن کے سیلِ تُندرو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

یہ ہے وہ تعلیم جو ان بچوں کے شایانِ شان ہے جو تیغوں کے سائے میں پلکر جوان ہوتے ہیں نہ کہ اہنسا کی خود فریبی، ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کی آج کیا حالت ہے ہمیں تو اس سے غرض ہے کہ وہ مذہب جسے مسلمان خدا کا سچا مذہب کہتا ہے اس کی تعلیم کیا ہے۔

اب ذرا "سماج کے علم" کے ان دو ٹکڑوں کو ملائیے۔

(۱) تمام مذاہب، اسلام اور ہندومت اصولی طور پر یکساں ہیں کسی کو دوسرے پر تفوق نہیں۔

(۲) فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اہنسا کو ہمسا پر فضیلت ہے

فرمائیے نتیجہ کیا نکلا؟ اس پر اعلان ہو رہا ہے کہ یہ اسکیم مشترکہ تعلیم کی اسکیم ہے اسے کسی مذہب کی تعلیم سے واسطہ نہیں، اللہ اکبر! کس قدر کھلی ہوئی غلط فہمی ہے!

بنیادی نقش

"سماج کے علم" کی ایک اور شق میں تحریر ہے کہ تعلیم ایسی دی جائے جس سے بچے کے دل میں وطن کی محبت پیدا ہو، وہ ہندوستان کے پچھلے زمانہ کی عزت کرے (رپورٹ ص۱۱۸)

بجا! مذہب کے اعتبار سے اسلام اور ہندومت یکساں
فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اہنسا کو ہمسا پر فوقیت
ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ کا جس عہد میں زور تھا، اس زمانے کی عزت

بچے کے دل میں بٹھا دی جائے۔

اس طرح متحدہ قومیت کی تشکیل ہوگی۔ الگ الگ مذہب کی تعلیم چونکہ لڑائی جھگڑے کا موجب ہوتی ہے اس لئے اہمسا کے ودیا مندر میں اس کا گذر کیوں ہو، ان جھگڑوں کے مٹانے کا واحد علاج یہ ہے کہ تعلیم ایسی دیجائے جس کی رو سے ہندو فلسفۂ زندگی کی عظمت اور ہندو تہذیب کی عزت دلوں میں نقش ہو جائے، اسلام کے فلسفۂ زندگی کی مذمت اور اس فلسفہ کے علمبرداران کی طرف سے دل میں نفرت پیدا ہو جھگڑے خود بخود مٹ جائینگے، جھگڑے تو اسوقت ہوتے ہیں جب ہندو سمجھتا ہے کہ مسلمان اور مسلمان صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لائق ہیں اور مسلمان ایسا سمجھ نہیں سکتا، لیکن جب ہندو اور مسلمان دونوں بچے اس باب میں متفق اللسان ہونگے کہ ہاں واقعی اسلام کا فلسفۂ حیات اور اس کے علمبرداران انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں تو پھر جھگڑا کیسے پیدا ہوگا، جب سر ہی نہ رہے گا تو درد سر کہاں ہوگا، یہ ہے وہ "اندرونی روشنی" جو نوع انسانی کے مصلح اعظم کو براہ راست "خدا" کی طرف سے ملتی ہے جس کے دل میں تمام مذاہب کے پیروؤں کے لئے "جذبۂ ہمدردی" یکساں موجزن ہے،

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے شملہ کی اس پرائیویٹ صحبت میں جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے یہ فرمایا تھا کہ "پچھلے زمانہ" سے ان کی مراد صرف ہندوؤں کا زمانہ ہی نہیں بلکہ اس میں مسلمانوں کا زمانہ بھی شامل ہے۔ لیکن جب یہ عرض کیا گیا کہ مسلمانوں کے زمانہ میں تو ہمسا کے علمبردار ہی نظر آئیں گے، اس زمانہ کی عزت بچے کے دل میں کیسے بٹھائی جائے گی تو انہوں نے فرمایا کہ اس زمانہ کے صوفیائے کرام کے حالات بتائے جائینگے

جنہوں نے اہنسا کے مطابق زندگی بسر کی ہے۔

ہم اس وقت اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے کہ وہ حضرات جن پر حقیقی معنوں میں "اولیاء اللہ" کا لقب صادق ہوتا ہے، وقت آنے پر وہ کس طرح تسبیح و مصلے کے ساتھ ساتھ شمشیر و سنان کو بھی عین اسلام سمجھتے ہیں لیکن ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان حضرات کے اندر بھی خوبی صرف اسی چیز میں رہ گئی ہے جو ہندوؤں کے نظریۂ زندگی کے مطابق ہو، اسلام کا دوسرا حصہ یعنی "مجاہدانہ حرارت کا شعبہ" چونکہ اہنسا کے نظریہ کے مطابق نہیں ہے اس لئے اس میں برائیاں ہی برائیاں ہیں، یہ ہے عملی تفسیر تُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ کی، یعنی قرآن کے اتنے حصے پر ایمان جو اپنے نظریہ کے مطابق ہو اور باقی حصے سے انکار۔

باب سوم

زبان کا مسئلہ

اس کے بعد زبان کا مسئلہ آتا ہے، "ہندوستانی" زبان نصاب میں لازمی کر دی گئی ہے (رپورٹ ص ۱۲۳) زبان کا مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اسے ضمنی طور پر چھیڑا نہیں جا سکتا یہ مضمون بہت طویل ہو رہا ہے، اس لئے ہم ایسے اہم سوال پر کسی دوسری صحبت میں مفصل بحث کریں گے (ان شاء اللہ) اتنا یاد رہے کہ کسی قوم کی موت و حیات کا سوال اس قوم کی زبان اور اس کے رسم الخط سے وابستہ ہوتا ہے، مسلمان اس کی اہمیت سے ناواقف ہیں اور ہندو سمجھ ہی چکے وہ سب کچھ کئے جا رہے ہیں، جب اس کے نتیجہ پر نگاہ پہنچتی ہے تو روح کانپ اٹھتی ہے یا اللہ مستقبل قریب میں مسلمانوں

پر یہاں کیا کچھ گذرنے والا ہے، اسوقت تو اتنا دیکھئے کہ ہندوؤں کی اس تحریک کا اثر کہ ہندوستانی زبان سے عربی و فارسی کے غیر مانوس الفاظ نکال دینا چاہئے کسقدر سرعت سے پھیلتا جارہا ہے، رپورٹ زیر نظر میں انگریزی الفاظ تو جگہ جگہ آپ کو ملیں گے مثلاً ٹریننگ، کورس، پالیسی، نارمل، ورکنگ وغیرہ، لیکن عربی اور فارسی کے ان الفاظ کی بجائے جنہیں سمجھنے میں کسی اُردو دان کو بھی دقت نہیں ہو سکتی ایسے الفاظ ٹھونسے گئے ہیں جنہیں نہ عبارت کی روانی قبول کرتی ہے نہ مذاق سلیم، جبکہ بعض الفاظ بجائے خویش ایسے غیر مانوس ہیں کہ اُردو دان طبقے نے شاید ہی کبھی سُنے ہوں مثلاً نئی سماج کا ڈول ڈلے، جسکی نیو انسانی ہمدردی پر رکھی گئی ہو، پچھم کے ملکوں میں کسی سفید سیوا کے ذریعے، دھیرے دھیرے اتنی مشق ہو جائے، جسکی نیو.... بنیاد پر رکھی جائے وغیرہ، کہئے کہ طرح ڈالنا، بنیاد، مغرب، خدمت، آہستہ آہستہ۔ الفاظ انمیں سے کونسا لفظ ایسا ہے جو عام فہم نہیں۔ ان کی جگہ خواہ مخواہ "پوربی کی بولی" گھسیٹ لانا اس بات کی کھلی غمازی کر رہا ہے کہ ہر بات میں ہندوؤں کی خوشنودی کا جذبہ کسقدر غالب آرہا ہے، اگر یہ "مرعوبیت" نہیں تو اور کیا ہے

باب چہارم
معاشرت

اب مقطع کا بند سُنئے، ارشاد ہوتا ہے

"گانا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ بچوں کو اچھے گیت یاد ہو جائیں اور انہیں اچھے گانے کی پہچان اور شوق ہو جائے، بچوں میں تال کا جو قدرتی احساس

ہوتا ہے اُسے ترقی دینے کیلئے انہیں دونوں ہاتھوں سے تالی دینا
سکھایا جائے (ص ۱۲۳)

آپ کو معلوم ہے کہ اچھے بُرے گانے کی پہچان کیلئے کسقدر "راگ ودیا" کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پھر تال سُر سیکھنے کیلئے اور کیا کچھ سیکھنا پڑتا ہے، رقص وسرود ہندؤں کی پراچین تہذیب کا ایک ضروری جزو ہے، ڈاکٹر ٹیگور کو آپنے دیکھا ہو گا کہ وہ .... نوجوان لڑکیوں کو لیکر شہر شہر ناچ اور گانے کا تماشہ دکھاتے پھرتے تھے، اودے شنکر اور اسکی پارٹی رقص وسرود کے ذریعے "کرشن لیلا" کی یاد تازہ کرتے پھرتے ہیں، ہندو کنیا مہا ودیالوں میں راگ وغیرہ نصاب میں داخل ہے، لہٰذا اگر ہندو لڑکے اور لڑکیوں کے لئے راگ کا نصاب رکھا جائے تو انہیں عین مسرت ہوگی لیکن سوال یہ ہے کہ چودہ برس کی عمر میں مسلمان لڑکیوں کو راگ اور تال سکھا کر کیا بتانا مقصود ہے، حضرت اکبر مرحوم نے فرمایا تھا سے

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہوں
دیندار ومتقی ہوں جو ہوں اُنکے معلم — اُستاد اچھے ہوں مگر اُستاد جی نہوں

مسلمانو! ذرا غور سے دیکھئے کہ آزاد ہندوستان میں جبری تعلیم کی رُو سے آپ کی بیٹیاں اور بہنیں کس قسم کی تعلیم حاصل کیا کریں گی سے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

نتائج مستخرجہ

علتِ مرض

یہ ہے مختصراً واردھا اسکیم جو مہاتما گاندھی کے حجلۂ دماغ سے نکل کر خباب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کی ساعیٔ جمیلہ کے صدقے مسلمانوں کے بچے اور بچیوں کے لئے جبری تعلیم کا نصاب بننے والی ہے، شملہ میں اسکیم پر آخری مرتبہ غور و خوض ہو چکا ہے اور اس کے بعد یہ نافذ العمل ہو جائے گی مسلمانوں نے دیگر اہم مسائل کی طرح تعلیمی مسائل میں بھی ہمیشہ بے رُخی برتی ہے جس کا نتیجہ اُن کے سامنے ہے لیکن وہ یاد رکھیں کہ اگر انہوں نے اس مرتبہ بھی ایسا ہی کیا تو پچاس برس کے اندر وہ دیکھیں گے کہ اُن کا ہندوستان میں بھی وہی حشر ہوگا جو اسپین میں ہوا تھا، اور پھر یہ ڈھونڈیں گے کہ وہ قوم کیا ہوئی جو اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتی تھی لیکن یہ سب باتیں فروعی ہیں، اصل نقص کہیں اور ہے، یہ تو یوں سمجھئے کہ یہاں پھوڑا نکل آیا، وہاں پھنسی ہو گئی، کہیں خارش نمودار ہو گئی، کہیں چنبل پھوٹ نکلا، یہ امراض نہیں بلکہ علاماتِ مرض ہیں، علتِ مرض یہ ہے کہ خون خراب ہو چکا ہے، ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج مرہم سے نہیں ہوگا، خون صاف کر دینے سے ہوگا۔ یہ واردھا اسکیم، یہ مخلوط و جُدا گانہ انتخاب، یہ اُردو ہندی کے جھگڑے۔ سب علاماتِ مرض ہیں، اصل مرض یہ ہے کہ ہندو ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت بنانا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمان اپنی خصوصیات کھو کر کانِ نمک میں پہنچکر نمک بن جائیں، جب تک آپ اس بنیادی اصول کو پاش پاش کر کے نہ رکھدیں گے، آپ کے کسی مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہندوستان میں ایک الگ قوم کی حیثیت سے رہیگا، اس کی الگ جماعتی زندگی ہو گی، اور جب

…گ ہوگی تو پھر اس کی زبان بھی اپنی ہوگی، تہذیب بھی الگ ہوگی، مذہب بھی الگ ہوگا، تعلیم بھی الگ ہوگی، ان کی مشترکہ قومیت ہو سکتی ہے اور نہ مشترکہ تعلیم، ہندوؤں سے …ے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے تعلیمی اسکیمیں تیار کرتے رہیں۔ انہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ مسلمان بچوں کے لئے تعلیمی تجاویز سوچتے پھریں، اور پھر ان پر انہیں جبراً عائد کردیں اور …طرح، جو کام سوامی شردھانند نے اٹھایا تھا لیکن وہ پروان نہ چڑھ سکا، اسے مہاتما گاندھی پورا کردیں۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

ہمیں یقین ہے کہ مسلمانوں کے لئے جو مہلک اثرات اس اسکیم کے اندر چھپا کر رکھے گئے ہیں اگر ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کی نگاہوں کے سامنے وہ بے نقاب ہو کر نہیں آئے اور انہوں نے اس کو محض سطحی اور عمومی نظر سے دیکھا ہے ورنہ یہ باور کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ جناب ڈاکٹر صاحب دیدہ و دانستہ ہندوؤں کی چھری سے یوں مسلمانوں کے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے پر تلے بیٹھے ہوں، خدا کرے کہ اس اسکیم کے ساتھ ان کی تائید غلط فہمی پر مبنی ہو اور جس طرح قصہ میں انہوں نے اہمسا کے متعلق اپنی غلطی کو تسلیم کرلیا تھا، اسی طرح وہ باقی اسکیم کے متعلق تفصیلات بالا کی روشنی میں غور فرما کر اس سے اپنی برأت کا اعلان فرمادیں ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اس اسکیم کا ان کے نام سے انتساب ملت اسلامیہ کا قتل نہیں تو اعانتِ قتل کے جرم سے انہیں کبھی بری نہیں قرار دے سکیگا۔

تکملہ

یہ مضمون پریس میں جا چکا تھا کہ مہاتما گاندھی کا ذیل کا بیان اخبارات میں شائع ہوا

> مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری اور دوستی کی جو روح پیدا ہو رہی ہے میں اس کے پیش نظر اس بات کو سخت مہلک اور خطرناک سمجھتا ہوں کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا مذہب دیگر تمام مذاہب پر برتری رکھتا ہے یا جس مذہب کے وہ قائل ہیں ان کے نزدیک بس وہی سچا ہے، اگر یہ تفرقہ انگیز روح قوم میں سرایت کر گئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر فرقہ کا اسکول علیحدہ ہو جس میں ہر ایک کو مذمت کرنے کی پوری آزادی ہو، یا پھر ایسی درسگاہوں میں مذہب کے تذکرہ کو بالکل ممنوع ہی قرار دیا جائے (اسٹیٹسمین ۱۱ جولائی)

۱۹۳۷ء ص ۱ کالم ۲، نیز ہندوستان ٹائمز ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء)

دیکھ لیجئے جس چیز کی طرف ہم نے اپنے مضمون میں اشارہ کیا تھا وہ لفظاً لفظاً سامنے
آگئی یا نہیں اور ابھی، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں مہاتما
گاندھی کا مسلک شیر کا مسلک نہیں جو بے نقاب گرجتا بجتا سامنے آجائے بلکہ ان
مسلک ہمیشہ گھات میں رہنے کا ہے اور مسلمانوں کی تباہی کے معاملہ میں تو وہ خاص طور
پر شاطرانہ چالوں سے کام لیتے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ جو کچھ مہاتما جی چاہتے ہیں وہ لفظاً لفظاً وہی ہے جو مولا
آزاد نے اپنی تفسیر میں پہلے ہی لکھ رکھا ہے اور اس طرح مہاتما گاندھی کے مقصد کے
حصول کے لئے پہلے ہی سے زمین تیار کر چھوڑی ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ جب مسلمان بچوں کو یہ سمجھایا جائیگا کہ دیگر مذاہب بھی اسلام کی
طرح سچے اور خدائی مذہب ہیں تو پھر اسلامی قوانین کی حفاظت، اسلامی تمدن و تہذیب
کی حفاظت اور اسلامی حقوق کی حفاظت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا، اگر صحابہ کرام رض
کو مذہب کا یہ فلسفہ معلوم ہوتا، اگر خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، اور سلطان صلاح الد
کو اپنے زمانہ میں کوئی گاندھی مل جاتا تو آج اسلام کا نقشہ ہی اور کچھ ہوتا یعنی سرے سے
اسلام کا وجود ہی نہ ہوتا اور مسلمان بہت جلد اس کیمیاوی عمل سے تحلیل ہو جاتا لیکن
مہاتما گاندھی یا اور ہندؤں سے کیا گلہ، انہیں تو مسلمانوں سے انتقام لینا ہے اور اس
کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کریں گے، رونا تو آتا ہے اُن مسلمان اکابر پر جو ان کے ان
مقاصد کے حصول میں اس قدر "جہادِ عظیم" میں مصروف ہیں

از باغبان شد است کہ صیاد آن نکرد

آخری گزارش

واردھا کی تعلیمی اسکیم پر ان اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان امور کو پیش نظر
رکھ کر لکھا گیا ہے جن سے ہمیں نیک نیتی کے ساتھ اختلاف ہے، یہ دور انقلاب
کا ہے، اکثریت کے غلبہ کا ہے، اسلئے ہر اُس مسلمان کو بیدار و ہوشیار رہنے کی
ضرورت ہے جو ہر حالت میں اپنے آپ کو مسلمان بھی رکھنا چاہتا ہے اور چونکہ واردھا
تعلیمی اسکیم کے مرتب ہمارے قومی ادارہ جامعہ ملیہ کے ایثار پیشہ بالغ نظر اور اسلام دوست بزرگ
ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ہیں جنکو ہم قوم کی اور اسلام کی امانت سمجھتے ہیں، اسلئے ذرا
بے تکلف ہو کر اپنی بات اپنوں تک پہونچائی گئی ہے، ہمارے دل میں حضرت شیخ الجامعہ
کی بے انتہا عزت ہے اور جب ہم ان کے خلوص، ان کی خادمانہ زندگی، ان کے علم و فضل
اور انکی قربانیوں کا تصور کرتے ہیں تو بے اختیار ہماری گردنیں ان کے احترام کے لئے
جھک جاتی ہیں، حال ہی میں کشمیر کی چودہ سو روپے کی پیشکش کو جامعہ پر قربان کرنے کا
واقعہ کچھ کم ایثار نہیں ہے، اس تنقید سے خدانخواستہ یہ مقصد نہیں ہے کہ انکی خدمات
قومی و ملی کی تخفیف کیجائے یا ان کو اسلام کی روح سے ناآشنا بتایا جائے بلکہ یہ مقصد ہے
کہ تعلیمی رپورٹ کی ترتیب میں جن امور کی طرف ان کا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا یا شرک
تعلیم کو جس احتیاط کی ضرورت تھی اُس پر موصوف کو توجہ دلائی جائے
کہ اسلام کی حق پرستانہ تعلیم نے ہم کو اس کی اجازت دی ہے، ہمیں پوری توقع ہے
کہ ڈاکٹر صاحب ہماری معروضات پر ضرور متوجہ ہوں گے اور اس دور میں مسلمان
بچوں کو اسلام پر قائم رکھنے کی کوئی سبیل نکالیں گے۔

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

ہندوستان میں سب سے پہلا پرچہ جو اسلامی جماعتی زندگی کے نصب
کے ماتحت مئی ۱۹۳۸ء سے شائع ہو رہا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانو
جماعتی ضروریات کا حل قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جائے اور جو لوگ مغر
یا یورپ کے علوم و فنون سے مرعوب ہیں ان کو بتایا جائے کہ دنیا خواہ کتنی آگے نک
قرآن کریم اس سے بھی آگے نظر آئے گا۔

یہ پرچہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ تمام اُمّت اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ
اور اس کا نظم و نسق ایک ایسی پرخلوص جماعت کے ہاتھ میں ہے جو اپنا سب کچھ ا
راستہ میں قربان کرنے کیلئے تیار ہے، "طلوع اسلام" کے ہر پرچہ کے مضامین اس ق
ہوتے ہیں کہ انہیں علیحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کیا جائے، گفتگوئے مصالحت
واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان وہی مضامین ہیں جو طلوع اسلام میں شائع ہو چکے
اگر آپ قرآن کریم کی روشنی میں مسائل حاضرہ سیاسیہ و مذہبیہ کا حل تلاش کرنا چاہ
ہیں تو اس کے خریدار بن جائیے اور دیکھئے کہ ہر ماہ یہ رسالہ زندگی کے تمام شعبوں
کس طرح آپ کی رہنمائی کرتا ہے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ — ششماہی تین روپیہ

منیجر رسالہ "طلوع اسلام" بلیماران، دہلی